MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماھنامہ

لاہور

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

جلد نمبر 19
شمارہ نمبر 10

فروری 2019ء، جمادی الاول/ جمادی الثانی 1440ھ

WWW.MIRRAT.COM

سرپرستِ اعلیٰ
اصلاحی جماعت
و
عالمی تنظیم العارفین

جانشین سلطان الفقر
حضرت سلطان محمد علی سروری قادری
کی زیرِ قیادت

حضورِ رسالت مآب ﷺ کے اسمِ گرامی سے منسوب
ملک بھر میں سالانہ انعقاد پذیر ہونے والے
شاندار تربیّتی و اصلاحی اجتماعات
زیرِ انتظام
اِصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین
دربارِ عالیہ سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ

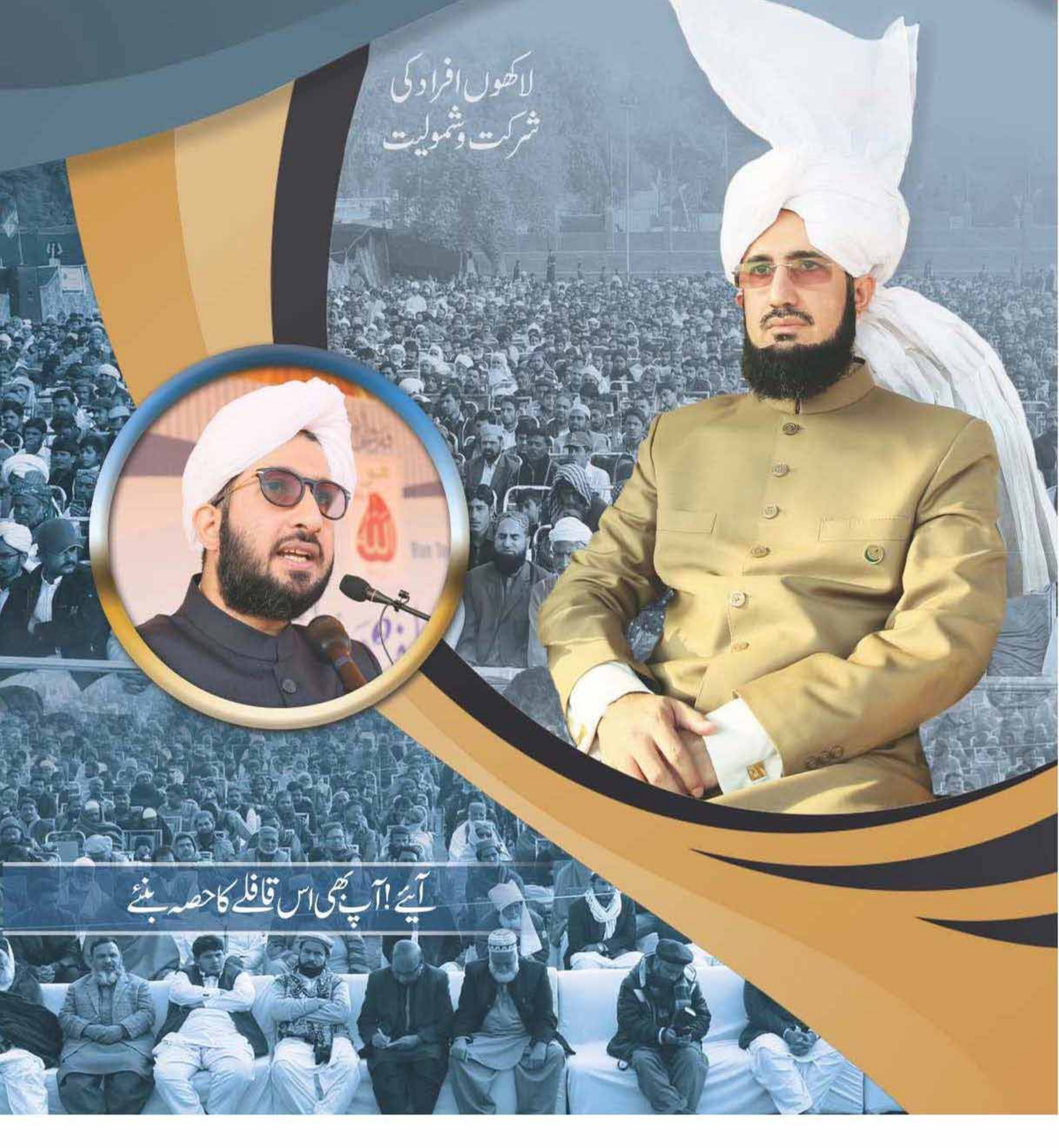

ففروا الی اللہ
اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین
کے زیرِ اہتمام
سالانہ
ملک گیر دورہ
بسلسلہ
میلادِ مصطفی
حق باھو کانفرنس

8 جنوری
رحیم یار خان

9 جنوری
لودھراں

10 جنوری
ملتان

11 جنوری
وہاڑی

13 جنوری
جھنگ

17 جنوری
بھکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فیضانِ نظر

سلطان الفقر
حضرت سخی سلطان
محمد اصغر علی صاحب
سروری قادری

چیف ایڈیٹر
صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹر
طارق اسمٰعیل ساگر

مسلسل اشاعت کا انیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ
مرآۃ العارفین انٹرنیشنل
لاہور

فروری 2019ء، جمادی الاول / جمادی الثانی 1440ھ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		3
ادار یہ			
2	دستک		4
قومی و بین الاقوامی			
3	قائدِ اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال کی پاکستان کے لیے ویژن	مسلم انسٹیٹیوٹ	5
4	مولانا رومی اور علامہ اقبال کانفرنس	مسلم انسٹیٹیوٹ	8
5	لفظ: حیاتِ انسانی کا حیران کن پہلو (آخری قسط)	حافظ شہباز عزیز	11
تذکرہ			
6	مُرشدِ اکمل، استاذِ کاملین	مفتی اسماعیل خان نیازی	16
7	فرید العصر، عدیم النظیر، بحرامن بحور العلم امام الائمہ ابن خزیمہ (رحمۃ اللہ علیہ)	مفتی محمد صدیق خان قادری	19
صلائے عام			
8	اسلامی مُعاشرت کی رُوح: رضائے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمنا	صاحبزادہ سلطان احمد علی	23
9	سالانہ ملک گیر دورہ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" (رپورٹ)	ادارہ	35
باھُو شناسی			
10	امیر الکونین	مترجم: سید امیر خان نیازی	48
11	Abyat e Bahoo	Translated by: M.A Khan	49

ایڈیٹوریل بورڈ

- سجاد علی چوہدری
- محمد افضل عباس خان
- محمد سیف الرحمٰن

آرٹ ایڈیٹر

- محمد احمد رضا
- واصف علی

اندرون ملک نمائندے

اسلام آباد	مہتاب احمد
کراچی	ایس ایم حسین
فیصل آباد	ڈاکٹر غضنفر عباس
ملتان	شبیر حسین
لاہور	حافظ محمد ریحان
کوئٹہ	رسالت حسین
پشاور	سید حسین علی شاہ

بیرون ممالک نمائندے

ممالک	نمائندگان
اٹلی	چوہدری ناصر حسین
انگلینڈ	منظور احمد خان
ساؤتھ افریقہ	آصف ملک
سعودی عرب	مہر کریم بخش
سپین	محمد عقیل
فرانس	امجد علی
کینیڈا	ثقلین عباس
متحدہ عرب امارات	نصیر شاہ
ملائشیاء	محمد شفقت
یونان	محمد شکیل

فی شمارہ نیوز پیپر 30 روپے — سالانہ (ممبرشپ) 360 روپے

فی شمارہ آرٹ پیپر 50 روپے — سالانہ (ممبرشپ) 600 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
200	100	80

اپنی بہترین اور موثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-8676572

پبلشر سجاد علی چوہدری نے قاسم آرٹ پریس، بیڈن روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر نمبر 9، بیسمنٹ فلور، اسلام آرکیڈ 16 میکلوڈ روڈ، لکشمی چوک لاہور سے شائع کیا

برائے خط وکتابت ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور
E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

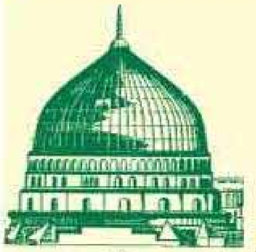

اللہ

"قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ"

"آپ (ﷺ) فرما دیجیے: آؤ میں وہ چیزیں پڑھ کر سنا دوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں (وہ) یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)"۔(الانعام:151)

"حضور نبی کریم (ﷺ) کی زوجہ محترمہ ام المومنین عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے حدیث بیان فرمائی کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ دو بیٹیاں تھیں تو وہ مجھ سے سوال کر رہی تھی، پس اس نے میرے پاس صرف ایک کھجور کو پایا، سو میں نے وہ کھجور اس عورت کو دے دی، اس عورت نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور اپنی دو بیٹیوں میں تقسیم کر دی پھر کھڑی ہوئی اور چلی گئی پھر حضور نبی کریم (ﷺ) تشریف لائے پس میں نے سارا واقعہ آپ (ﷺ) کی خدمت میں عرض کیا تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: جو ان بیٹیوں کی تھوڑی سی بھی سرپرستی کرتا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو وہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ سے حجاب بن جاتی ہیں"۔(صحیح البخاری، کتاب الادب)

سرکارِ سبحانی محبوبِ سبحانی غوث الاعظم محی الدین

فرمان سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی (رضی اللہ عنہ)

"اے قوم! اقوال و افعال سب میں اللہ والوں کی اتباع کرو، ان کے خادم بنو اور اپنے جان و مال سے ان کا قرب حاصل کرو، جو کچھ بھی تم ان کو دو گے وہ ان کے پاس تمہارے لیے جمع رہے گا کہ کل (یوم قیامت) وہ اس کو تمہارے حوالے کریں گے تو فراخیِ معاش کا آرزومند ہے حالانکہ قلم اس کی تنگی کے متعلق چل چکا ہے لہٰذا تو (اس کی آرزو کی وجہ سے) مبغوض بن گیا کہ ایسی شے کا طالب ہے جو تیرے مقسوم میں نہیں ہے تو دنیا کی طلب میں کتنی کوشش کرتا ہے اور حریص بنتا ہے حالانکہ مقسوم سے زائد تجھے کچھ بھی نہ ملے گا"۔

(سر فتح الربانی)

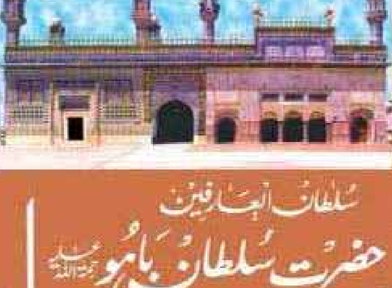

سلطان العارفین

فرمان حضرت سلطان باھُو (رحمتہ اللہ علیہ)

اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مُرشد لاندا ھو
جس گت اُتّے سوہنا راضی ہوندا اوہو گت سکھاندا ھو
ہر دم یاد رکھے ہر ویلے سوہنا اٹھاندا بہاندا ھو
آپ سمجھ سمجھیندا باھو آپ آپے بن جاندا ھو

(ابیاتِ باھُو)

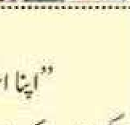

فرمان قائد اعظم محمد علی جناح (رحمتہ اللہ علیہ)

ایمان ۔ اتحاد ۔ تنظیم

"اپنا اخلاق بہر صورت بلند رکھو، موت سے نہ ڈرو، ہمارا مذہب یہی سکھاتا ہے کہ موت کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ اسلام اور پاکستان کی عزت بچانے کے لیے ہمیں موت کا مقابلہ بہادری سے کرنا چاہیے۔ مسلمان کے لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نجات نہیں کہ وہ صداقت کی خاطر شہید کی موت مر جائے"۔

(لاہور میں جلسہ سے خطاب، 30 اکتوبر 1947ء)

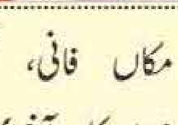

فرمان علامہ محمد اقبال (رحمتہ اللہ علیہ)

مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے
حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمیؑ ہے معمارِ جہاں تو ہے

(بانگِ درا)

کشمیر: جدوجہدِ حریت اور انسانی حقوق کی پامالی

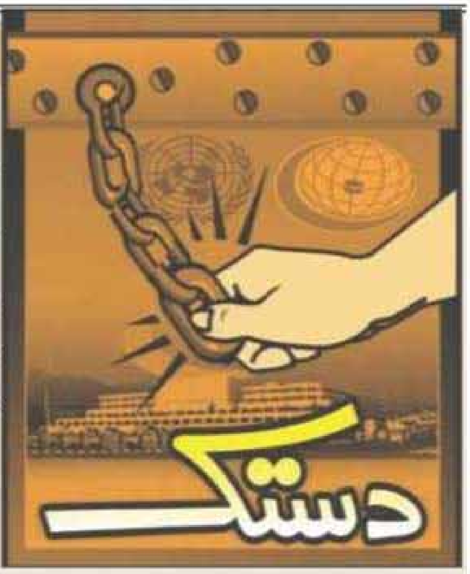

تاریخ عالم میں اہلِ کشمیر اُن چند پُر عزم، بلند حوصلہ، حق پرست، حریت پسند اور جذبہ اِستقلال سے سرشار اقوام میں سر فہرست ہیں جنہوں نے نہ تو کبھی ظالم کے ظلم سے خوف کھایا اور نہ ہی قابض کے سامنے سر تسلیم خم کیا- گو کہ رائے عامہ کے مطابق مسئلہ کشمیر 1947ء میں تقسیم ہند سے شروع ہوا مگر درحقیقت مسلمانانِ کشمیر پر زندگی تقسیم ہند سے قبل ہی تنگ کر دی گئی تھی- بلا شبہ کشمیر کی موجودہ صورتحال ہندو بنیا و ڈوگرا راج کے مسلم کُش پالیسیز کا ہی تسلسل ہے- گمنام اجتماعی قبریں، بے گناہ شہداء، معصوم یتیم، بیوہ و نصف بیوہ عورتیں، نابینہ بچے، معذور و بے سہارا بوڑھے اور لہو لہان وادیٔ کشمیر بھارتی مظالم کا منہ بولتا ثبوت ہے-

گزشتہ برس یعنی 2018ء کے اواخر میں ایک طرف اقوامِ عالم 10 دسمبر کو انسانی حقوق کے عالمی دن کے طور پر منا رہے تھے جبکہ دوسری جانب بنیادی انسانی حقوق سے محروم کشمیری خاموش زبانوں، نابینہ آنکھوں، بہتے زخموں، لُٹی عزتوں اور بے بس ہاتھوں میں جوان لاشے اٹھائے ضمیرِ عالم کو جھنجھوڑنے کی ناکام مگر پُر امید کوشش میں مصروف و شکوہ کناں رہے- 1948ء میں اقوامِ متحدہ نے اس دن انسانی حقوق کے تحفظ اور آگاہی کیلئے 48 ممالک کی رضامندی سے 30 دفعات پر مشتمل عالمی منشور جاری کیا تھا- اس منشور کے تحفظ، بہتری اور عمل درآمد کو یقینی بنانے کیلئے ایک مستقل کمیشن برائے انسانی حقوق بھی قائم کیا گیا تھا- انسانی حقوق کے اس عالمی منشور میں بنیادی انسانی حقوق مثلاً انسانی آزادی، مساوی حیثیت، آزادانہ نقل و حرکت، آزادیِ اظہار، باوقار زندگی، سماجی تحفظ کا حق، مذہبی آزادی اور تشدد، ظلم و ستم، غیر انسانی اور توہین آمیز سلوک یا سزا کا نشانہ نہ بنائے جانے کو یقینی بنایا گیا ہے- گو کہ اِس دن دنیا بھر میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف آواز بلند کی گئی، مگر سوائے پاکستان و دیگر چند ممالک کے، اقوامِ عالم نے کشمیر و فلسطین میں ہونے والی اندوہ ناک انسان دشمنی کو ہمیشہ کی طرح پس پشت ڈالے رکھا-

مقبوضہ جموں و کشمیر میں آرمڈ فورسز سپیشل پاور ایکٹ (افسپا)، جموں و کشمیر پبلک سیفٹی ایکٹ اور ٹیررازم اینڈ ڈسرپٹیو ایکٹیویٹیز ایکٹ (ٹاڈا ایکٹ) جیسے کالے قوانین کے تحت "لائسنس ٹو کِل" کی حامل 7 لاکھ سے زائد بھارتی فوج ایک لاکھ سے زائد کشمیریوں کو شہید کر چکی ہے جبکہ کم و بیش 20000 کے قریب لوگ بالخصوص نوجوان لاپتہ ہیں جن کے متعلق خدشہ ہے کہ وہ کسی کال کوٹھڑی میں بھارتی ظلم و جبر کا شکار ہو رہے ہونگے- بھارت انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل کے گمنام قبروں کی تحقیقات کے حوالے سے آزاد تحقیقاتی کمیشن کا مطالبے کو بارہا رد کر چکا ہے- انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیم ایشین سینٹر فار ہیومن رائٹس کی حالیہ رپورٹ کے مطابق مقبوضہ وادی کی جیلوں میں بڑی تعداد معصوم بچوں کی ہے جو بین الاقوامی و بھارتی نجی قوانین کے مطابق بچوں کے حقوق کی واضح خلاف ورزی ہے- اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ماضی میں بھارت عالمی برادری کے سامنے کشمیری جدوجہد کو دہشت گردی قرار دینے کی کوششیں کرتا رہا ہے البتہ جولائی 2016ء میں کشمیری حریت پسند برہان مظفر وانی کی شہادت نے کشمیریوں کی جدوجہدِ حق خود ارادیت میں ایک نیا جذبہ و جنون بھرتے ہوئے بھارت کی تمام گھناؤنی سازشوں کو ناکام بنا دیا ہے- جس کا منہ بولتا ثبوت مذکورہ بالا اقوام متحدہ کمشن برائے انسانی حقوق کی جون 2018ء میں کشمیر میں قابض بھارتی فورسز کی طرف سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر مرتب کی جانے والی (پہلی) رپورٹ ہے جس کے مطابق جولائی 2016ء سے مارچ 2018ء تک ایک محتاط اندازے کے مطابق 170 نہتے کشمیری بھارتی جارحیت کا نشانہ بنے جبکہ 6 ہزار سے زائد لوگ زخمی ہوئے جن میں کئی افراد بینائی جیسی نعمت سے محروم ہو چکے ہیں- اس رپورٹ میں قتل، انصاف کی کمی، فوجی عدالتیں، انتظامی ناکامی، طاقت کا بے دریغ استعمال، پیلٹ گن کا وحشیانہ استعمال، من مانی گرفتاریاں، تشدد، گمشدگیاں، حقوقِ صحت، تعلیم اور اظہارِ رائے کی خلاف ورزی، صحافیوں کے خلاف تشدد اور جنسی زیادتی جیسی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے- دیگر کئی تنظیموں کی تحقیقات سمیت اس رپورٹ میں بھی بھارتی کالے قوانین کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا سب سے بڑا ذمہ دار قرار دیا گیا- بھارت کی جانب سے اس رپورٹ کی مجرمانہ مخالفت کے بعد بھارتی غیر قانونی کردار میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی اور اب عالمی برادری کی خاموشی یقیناً مجرم کا ساتھ دینے کے مترادف ہو گی-

پاکستان کشمیریوں کے حق خودارادیت اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے ہمیشہ پیش پیش رہا ہے- اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی صدر ماریہ فرنینڈا اسپینوزا کے حالیہ دورہ پاکستان پر انہیں مقبوضہ کشمیر کی مکمل صورتحال سے آگاہ کیا گیا- یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ کشمیر بھارت کا حصہ نہیں بلکہ اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر موجود ایک متنازعہ علاقہ ہے جس میں کشمیریوں نے اپنے مستقبل کا فیصلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق، استصوابِ رائے سے کرنا ہے-

ایک روزہ کانفرنس

قائدِ اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال کا پاکستان کے لیے ویژن

ONE DAY CONFERENCE

Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah & Iqbal's Vision of Pakistan

رپورٹ: مسلم انسٹیٹیوٹ

مسلم انسٹیٹیوٹ اور گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد نے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد میں 19 دسمبر 2018ء بروز بدھ ”قائدِ اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال کا پاکستان کے لیے ویژن“ کے موضوع پر کانفرنس کا اہتمام کیا- کانفرنس دو سیشنز پر مشتمل تھی جبکہ آخر میں کلامِ اقبال کی محفل کا انعقاد بھی کیا گیا- پروفیسر ڈاکٹر ناصر امین (وائس چانسلر گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد) نے افتتاحی سیشن کی صدارت کی جبکہ صاحبزادہ سلطان بہادر عزیز (انچارج پروگرامز، مسلم انسٹیٹیوٹ) نے افتتاحی کلمات سے نوازا- پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال چاولہ (ڈین، چیئرمین شعبہ تاریخ و پاکستان سٹڈیز، پنجاب یونیورسٹی لاہور) اور عارف خٹک (اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف سائنسز اینڈ ہیومینیٹیز، فاسٹ یونیورسٹی، چنیوٹ) پہلے سیشن کے مہمان مقررین میں شامل تھے- ڈاکٹر عبد القادر مشتاق (چیئرپرسن، شعبہ تاریخ و پاکستان سٹڈیز، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد) نے افتتاحی سیشن میں ماڈریٹر کے فرائض سر انجام دیے- جناب صاحبزادہ سلطان بہادر عزیز نے کانفرنس کے دوسرے سیشن کی صدارت کی جبکہ ڈاکٹر عبد القادر مشتاق (چیئرپرسن، شعبہ تاریخ و پاکستان سٹڈیز، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد) نے اظہارِ تشکر کیا- ڈاکٹر عمیر محمود صدیقی (اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف کراچی)، پروفیسر ڈاکٹر ایم شفیق (ڈیپارٹمنٹ آف ہسٹری اینڈ سیویلائزیشن سٹڈیز، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان) اور جناب ادریس آزاد (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد) دوسرے سیشن کے مہمان مقررین میں شامل تھے- محققین، سکالرز، طلباء، پروفیسرز، وکلاء، صحافیوں، سماجی کارکنان اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے کانفرنس میں شرکت کی-

مقررین کی جانب سے کیے گئے اظہارِ خیال کا خلاصہ ذیل میں دیا گیا ہے:

سیشن 1

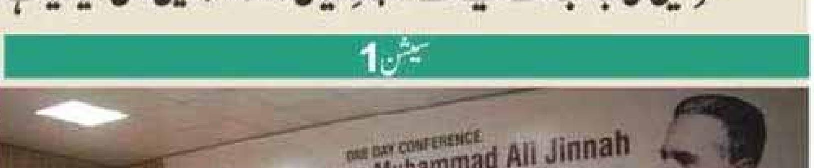

سیشن 2

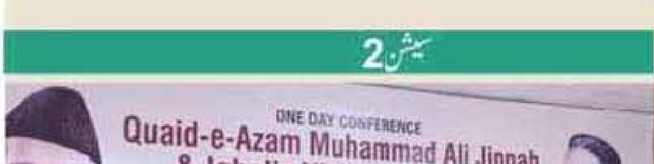

نشست 1

قائد اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال دونوں ایسی شخصیات ہیں جن کے افکار اور نظریات، قومی اور ملی دونوں حیثیتوں میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں- علامہ اقبال نے بیسویں صدی میں شاعر مشرق اور مدبر مغرب کا کردار ادا کیا- قائد اعظم محمد علی جناح نے علامہ اقبال کے فلسفہ یقین کو عملی جامعہ پہناتے ہوئے ناممکن کو ممکن بنایا اور مسلمانان ہند کی بقاء کے لئے الگ مملکت حاصل کی- قائد اعظم کی فکر اور ان کی تحریک آزادی پر علامہ اقبال کا گہرا اثر تھا- یہ دونوں شخصیات آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں- غیر ملکی رہنما جن کو ہماری پارلیمنٹ میں خطاب کا موقع ملاوہ اپنی بات کی ابتداء یا اختتام علامہ اقبال پر کرتے ہیں کیونکہ وہ علامہ اقبال کو پاکستان کی شناخت کے حوالے سے جانتے ہیں- یہ بات اس امر سے بھی عیاں ہے کہ دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں کلام اقبال کا ترجمہ ہوا ہے اور مختلف اقوام نے آپ کے افکار سے استفادہ کیا ہے- ہمیں واضع ہونا چاہیے کہ پاکستان کی عالمی شناخت علامہ اقبال ہیں- آج بھارت میں اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں سے روا رکھے جانے والا امتیازی سلوک جہاں نام نہاد سیکولرازم کو بے نقاب کرتا ہے وہیں ہمیں یاد دہانی کرواتا ہے کہ بانیان پاکستان نے مسلمانان ہند کے لئے یہ ٹکڑا زمین حاصل کر کے مذہبی اور ثقافتی آزادی کے لئے بہت بڑا احسان کیا ہے- دو قومی نظریہ ہمارے لئے ڈھال ہے نیز ہماری بقاء اور پُر امن مستقبل کی ضمانت بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے- جو قائد اعظم کی خارجہ پالیسی سے بھی واضع ہے جس میں اپنے ہمسایہ ممالک سے برابری کی سطح پر اچھے تعلقات قائم کرنے کی پالیسی اہم جزو ہے-

اقبال جس مرد مومن کی بات کرتے ہیں اگر اس کو مجسم صورت میں دیکھنا ہو تو وہ محمد علی جناح ہیں- ”تجدیدِ فکریاتِ اسلام“ کا دیباچہ اس جملہ سے شروع ہوتا ہے ”قرآن تصورات کی بجائے عمل پر زور دیتا ہے“- اقبال ایک فکر کا نام ہے اور قائدِ اعظم عمل کا- اگر دونوں کو اکٹھا دیکھا جائے تو وہ فکر و عمل ہیں- جب بھی قائدِ اعظم کی بات کی جائے تو آپ کی سیرت اور کردار کی بات ہو گی جبکہ اقبال کی فکر اور فلسفہ زیرِ بحث آئے گا- قائدِ اعظم نے ہمیشہ اپنے کردار کو سامنے رکھا اور کبھی اس پر سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ سچ بول کے اپنی زندگی گزاری-

نشست 2

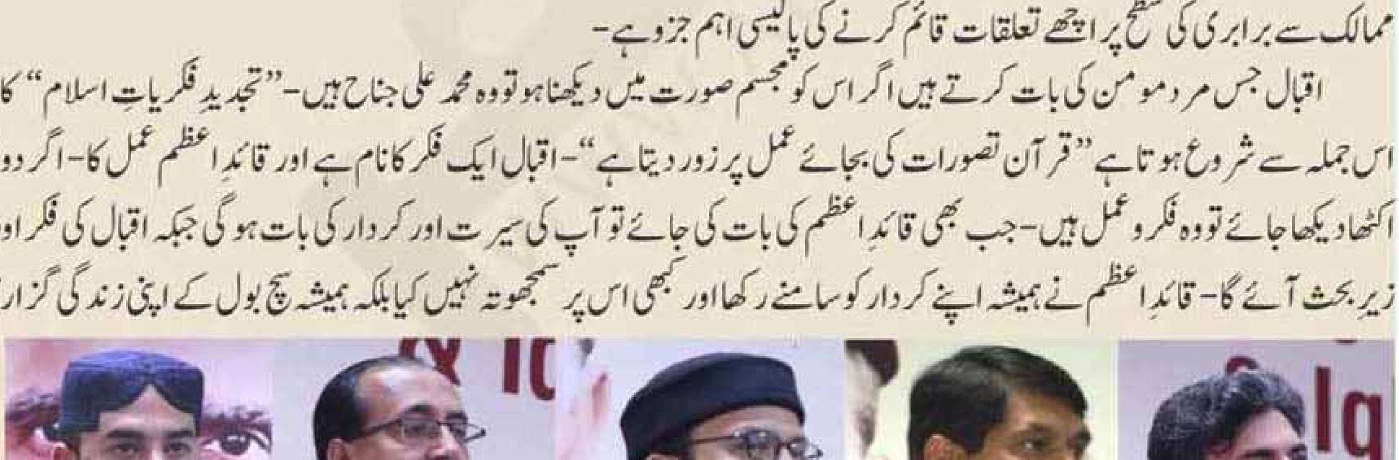

پاکستان دنیا کا وہ واحد ملک ہے جہاں بد قسمتی سے ہمارے قومی ہیروز کو سوالیہ نشان بنا دیا گیا ہے- آج یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان کیوں بنا؟ اور قائد اعظم کونسا پاکستان چاہتے تھے؟ جنہوں نے تاریخ پاکستان کو پڑھا اور سمجھا ہی نہیں، وہ اقبال اور قائد اعظم میں تضادات ڈھونڈتے ہیں- آپ ’کابینہ مشن پلان‘ کا جائزہ لیں تو قائد نے اس میں پانچ میں سے ایک نشست پر ہندو کو نمائندگی دی جبکہ انڈین نیشنل کانگریس نے اپنی چھ کی چھ نشستوں پر ہندوؤں کو نامزد کیا- ناقدین کو یہ سمجھنا پڑے گا کہ قائد اعظم پہلے دن سے ہی روشن خیال تھے اور آپ نے ہمیشہ چارٹر آف مدینہ کی بات کی- جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائد اعظم محمد علی جناحؒ سے کہا کہ پاکستان کو مغل فرمارو ا اکبر کے ماڈل کو

اپنانا چاہیے تو انہوں نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ ہمیں اصل ماڈل 13 سو سال قبل دے دیا گیا تھا۔

علامہ اقبال نے اپنے خطبات کے ذریعے نہ صرف مسلمانوں کی سوچ کو تبدیل کر دیا بلکہ مسلمانوں کی پستی کے اسباب کا بھی تفصیلی دی تھی کہ جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں مسلمانوں کے لیے ایک ملک تشکیل دیا جائے۔ اصل میں ہمیں اقبال کے خطوط اور قائد اعظم کی تقریریں بھی پڑھنے کی ضرورت ہے۔ علامہ صاحب اور قائد اعظم نے اسلامی جدید فلاحی ریاست کا نظریہ دیا جس کا قیام پاکستان کی وجہ سے ہی ممکن تھا۔ ابھی بھی ہم نے علامہ اقبال کے خواب کو پورا کرنا ہے اور قائد اعظم کے ویژن کو سمجھنا ہے جس کے لیے ان تضادات سے نکلنا پڑے گا اور عہد کرنا ہوگا کہ ہم نے اسلامی جمہوری نظام قائم کرنا ہے اور پاکستان سے پیار کرنا ہے۔

وقفہ سوال و جواب:

وقفہ سوال و جواب میں مقررین کی جانب سے کیے گئے اظہارِ خیال کا خلاصہ ذیل میں دیا گیا ہے:۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک تمام انبیاء کرام (علیہم السلام) نے دین اسلام ہی پیش کیا ہے اور توحید رسالت اور آخرت کی طرف دعوت دی ہے۔ اگر اس کی خوبصورت مثال دنیا میں کہیں مل سکتی ہے تو وہ ریاست مدینہ ہے ایک ایسی سوسائٹی جہاں کلچرل اور مذہبی تنوع تھا اور کس قدر ایک ہم آہنگی کے ساتھ ایک خوبصورت ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اسلام کو اس کی اصل روح کے ساتھ نافذ کرنے کی ضرورت ہے اور ہمیں فرقہ وارانہ تعصبات کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ اگر اسلام کا اس کی اصل روح کے مطابق نفاذ کیا جائے تو دنیا میں اس سے بہترین مثال اقلیتوں کے حوالے سے نہیں مل سکتی جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی تعلیمات میں پیش کی ہیں۔

قائد اعظم اور اقبال جس طرح کا پاکستان چاہتے تھے تو یقیناً ان کی اقوال کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں لیکن ہم عملی طور پر اس سے بہت دور ہیں۔ پاکستان کا مسئلہ محض قانون سازی نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہے۔ اگر پاکستان کے اندر ہمارے ادارے مضبوطی سے کام کریں تو یقیناً ہم قائد اور اقبال کے ویژن کے مطابق پاکستان کو آگے لے جا سکتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقے میں نہ پڑو"۔ حضرت علامہ اقبال بھی یہی بات فرماتے ہیں "ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے"، اسی طرح حضرت سلطان باھو (قدس اللہ سرہٗ) کے فرمان کے مطابق "نہ میں شیعہ نہ میں سنی میرا دوہاں تو دل سڑیا ھو"، ہمیں فرقہ پرستی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

☆☆☆

مولانا رومی اور علامہ اقبال کانفرنس

رپورٹ: مسلم انسٹیٹیوٹ

مسلم انسٹیٹیوٹ اور یونیورسٹی آف لاہور نے 27 نومبر 2018ء ”مولانا رومی اور علامہ اقبال“ کے موضوع پر یونیورسٹی آف لاہور میں کانفرنس کا انعقاد کیا- اس موقع پر صاحبزادہ سلطان احمد علی (چیئرمین مسلم انسٹیٹیوٹ)، پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم (پروفیسر ایمریٹس اقبال سٹڈیز پنجاب یونیورسٹی لاہور)، پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم مظہر (ڈین، فیکلٹی آف اورینٹل لرننگ، پنجاب یونیورسٹی لاہور) اور ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن (چیئرمین، ڈیپارٹمنٹ آف عربیک اینڈ اسلامک سٹڈیز، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد) مہمان مقرر تھے- مس ماریہ رفیع (پیٹرن پیام سوسائٹی اور لیکچرار یونیورسٹی آف لاہور) نے افتتاحی کلمات ادا کیے جبکہ عدنان ایچ ستی (ریسرچ ایسوسی ایٹ مسلم انسٹیٹیوٹ) نے ماڈریٹر کے فرائض سرانجام دیے- کانفرنس کے اختتام پر یونیورسٹی کے طلباء نے مترنم کلام پیش کیا- محققین، سکالرز، طلباء، پروفیسرز، وکلاء، صحافیوں، سماجی کارکنان اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے کانفرنس میں شرکت کی-

مقررین کی جانب سے کیے گئے اظہارِ خیال کا خلاصہ درج ذیل ہے:

آج کی اس کانفرنس کا مقصد اپنی نوجوان نسل کو علامہ اقبال اور مولانا رومی (رحمۃ اللہ علیہ) کے افکار سے آگاہ کرنا ہے تاکہ ہماری نوجوان نسل کو علامہ اقبال اور رومی کی شخصیت اور کردار کے بارے میں پتا چل سکے جو پوری دنیا اور عالم اسلام کے لیے رول ماڈل ہیں- پاکستان کے لوگوں کی یہ بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ اللہ پاک نے اس خطہ سرزمین کو اقبال جیسی شخصیت سے نوازا ہے- علامہ اقبال فرماتے ہیں میں اقبال نہ ہوتا اگر مولانا رومیؒ میرے استاد نہ ہوتے- رومی دنیا کی تاریخ کے واحد فلسفی ہیں جو بظاہر اَبات چھوٹی سی کرتے ہیں لیکن اس چھوٹی سی بات کی وضاحت کی جائے تو وہ ایک سمندر کی طرح ہے-

اس وقت کرۂ ارض پر اربوں انسان موجود ہیں- پوری دنیا میں اگر آپ دیکھیں تو روزانہ لوگ ہزار برس کی تہذیب میں مرتے رہے اور پیدا ہوتے رہے اور انسانیت کا سفر چلتا رہا اور ایک آدمی جب دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کے گھر والے جن سے اس کا خونی رشتہ ہوتا ہے وہ اس کو تھوڑی دیر کے لئے یاد رکھتے ہیں یا اگر کسی نے کوئی ایسا کام کیا ہے تو تھوڑے عرصے تک اسے یاد رکھا جاتا ہے اور اگر کسی نے بہت بڑا کام بھی کیا ہے تو ایک دو صدی تک اس کا کام مؤثر رہتا ہے- اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کی ضرورت ختم ہوتی جاتی ہے اور وہ غیر مؤثر ہوتا جاتا ہے- اکنامکس کے طلباء اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہر بیس (20) پچیس (25) برس بعد ایک نئی تھیوری آجاتی ہے اور گزشتہ ساری چیزیں محض ایک تدریسی حوالہ کے طور پر رہ جاتی ہیں- دنیا ایک نئی ڈگر پہ چل پڑتی ہے- لیکن اگر 850 سال گزرنے کے باوجود آج بھی جرمنی، برطانیہ، امریکہ اور ترکی میں رومی کی کتب سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتب میں شامل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت عظیم شخصیت تھے کہ 850 سال کے بعد بھی ان کا کلام انسانی معاشرے میں اتنا ہی مؤثر ہے-

مشرق میں رومی کو ہم نے جامعات کے شعبہ فارسی تک محدود کر دیا ہے جبکہ مغرب کے ادبی حلقوں میں رومی کا وسیع پیمانے پر مطالعہ کیا جاتا ہے- مغربی معاشرہ اس وقت مادیت پرست رجحانات کا شکار ہے- جو بھی چیز ان کی مادیت پرستی کو متاثر کرتی ہے، وہ اس کو قریب نہیں آنے دیتے اور باوجود اس کے کہ رومی ایک عظیم صوفی ہیں، روحانیت کی دنیا کی بات کرتے ہیں، مادے سے بڑھ کے کسی اور جہاں کی

بات کرتے ہیں، مغرب کا رومی پہ یہ اتفاقِ رائے ہے کہ رومی کی فکر ان کی مادی زندگی کو نقصان نہیں پہنچاتی اور رومی کے ذریعے وہ پرواز حاصل کرتے ہیں- رومی کے ذریعے وہ ایک اور دنیا کی طرف سفر کرتے ہیں- مولانا رومی کی یہ عظمت ہے کہ چاہے مسلمان ہے یا غیر مسلم، روحانیت پہ یقین رکھنے والے لوگ ہیں یا مادیت پرست رجحان کے مالک لوگ ہیں، رومی سب کے ہاں ایک جیسے مقبول ہیں-

علامہ اقبال اور مولانا رومی کا پیغام انسانوں اور نوجوانوں کی تربیت سے ایک اعلیٰ معاشرے کا قیام ہے- قرآن میں بھی سب سے زیادہ انسان کو ہی مخاطب کیا گیا ہے اور اس کو درد دل کے ساتھ رہنے کا سلیقہ سکھایا گیا ہے- اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کہا ہے اور انسانوں کی فلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو نظام تخلیق کیا وہ بھی انسانوں کے ذریعہ ہے یعنی پیغمبر بھی انسان بھیجے- مرشد و مرید کا تصور بھی انسانوں کے حوالے سے ہے-

اپنی ایک مثنوی میں مولانا جلال الدین رومی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بتایا ہے کہ ایک شیخ چراغ ہتھیلی پر لیے کوچہ و بازار میں پھر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مجھے کسی انسان کی تلاش ہے کیونکہ میں شیطان و حیوان سے بیزار ہوں- لوگوں نے کہا کہ ایسا نہیں ملتا تو اس نے پھر تاکید کی مجھے ایسے ہی انسان کی تلاش ہے جو نہیں ملتا یعنی مجھے ایک کامل انسان کی تلاش ہے-

مولانا کے شاندار کلام کو ان کے شارحین نے حیاتِ جاودانی بخشی- ان کے سب سے بڑے شارح مولانا جامی تھے- بیسویں صدی میں مولانا کا ایک شارح ہندوستان سے ظاہر ہوا جن کا نام محمد اقبال تھا- علامہ محمد اقبال نے کبھی ان کا نام پیر یا مرشد کے سوا نہیں لیا- مولانا رومی اپنے کلام میں فرماتے ہیں کہ بانسری کو سنیے جب وہ اپنی حکایت بیان کرتی ہے، بانسری ہے کیا؟ جنگل سے بانس سے جدا کی ہوئی ایک لکڑی- بانسری کو سنو وہ کیسے اپنے فراق کی گفتگو کر رہی ہے- جب وہ جنگل سے جدا ہوئی اور اب شہر کے اندر لوگ اس بانسری کو سنتے ہیں اور اس سے وہ لطف حاصل کرتے ہیں- لیکن بانسری کو تو سنیئے- بانسری تو چیخ رہی ہے کیونکہ وہ اپنے اصل سے جدا ہو گئی- بانسری کی بات آپ کو اس وقت تک سمجھ نہیں آتی جب تک کہ آپ کا اپنا دل پارہ پارہ نہ ہو، اس اصل کی طرف جانے کے لیے جس سے آپ جدا ہو گئے- مولانا جامی مثنوی کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک عام کتاب نہیں بلکہ فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا گیا ہے- اب بیسویں صدی میں جس شخص کا دل پارہ پارہ تھا اور جو بانسری کی بات سمجھ سکتا تھا اس کا نام علامہ اقبال ہے- لہٰذا رومی کی جتنی زیادہ شرح اقبال نے کی ہے شاید ہی موجودہ دور کے کسی اور شاعر نے کی ہو-

علامہ محمد اقبال بہت بڑی شخصیت ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں قرآنی روح پھونکی- ان کو قدرت نے مرشد بھی رومی جیسا عطا فرمایا- غزل میں رومی کے 40000 ہزار اشعار جس میں 36000 غزل کے اور 4000 رباعیات کے اشعار ہیں- اس بات کو علامہ اقبال نے بھی دہرایا- ”اسرار خودی“ علامہ کی ایک انقلابی مثنوی ہے-

رومی کی وسعتِ علم، قوتِ تخیل اور قدرتِ بیان نے ہر دور میں اہلِ دانش کو متاثر کیا- فارسی ادب کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی- رومی کا زمانہ دنیائے اسلام کے انتہائی زوال و انحطاط کا زمانہ تھا- ساتویں صدی جس میں چنگیزی تاتاری حملہ ہوا اور مسلمانوں کا سب کچھ

ختم ہو گیا- اقبال کا زمانہ بھی اتفاق سے ایسا ہی تھا- انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر کے مسلمانوں سے حکومت چھین لی اور ان کو جبر و استبداد کا نشانہ بنایا- رومی اور اقبال دونوں نے دل شکستہ ملت کو اپنے روح پرور کلام سے زندگی کا نیا حوصلہ دیا اور افسردہ دلوں میں امید کے چراغ روشن کیے-

آپ اگر دنیا کی باقی قوموں کو دیکھیں تو وہ اپنے سافٹ امیج پر کام کرتی ہیں- جیسے ترکی رومی کو، چائنا کنفیوشس کو، ہندوستان اپنی فلم انڈسٹری اور یوگا پریکٹس کو اور ایران اپنے ایرانی میوزک اور کیلیگرافی کو اپنے سافٹ امیج کے طور پر استعمال کرتا ہے- پاکستان کا سافٹ امیج کیا ہے؟ آج تک کونسی ایسی چیز ہے جس کو ہم نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہو- اس میں سب سے پہلے ہمارے حوصلہ مند نوجوان شامل ہیں- دوسرا سیاحت ہے اور یورپ میں ہمارے شمالی علاقہ جات کا تعارف ہے- اسی طرح نصرت فتح علی خان کو پاکستان کا سافٹ امیج سمجھا جاتا ہے- اس کے بعد اقبال اور صوفی قوالی پاکستان کا سافٹ امیج ہیں- اس لیے ہمیں اپنے سافٹ امیج کو بہتر بنانے کے لیے کام کرنا چاہیے- خاص طور پر ہماری یونیورسٹیز میں جو سرگرمیاں ہوتیں ہیں ان لوگوں کو اس پر کام کرنے کے لیے اکسایا جائے- ہماری یونیورسٹیز میں جدید مضامین کے ساتھ ساتھ ہمارے اجداد، جیسا کہ رومی اور اقبال، کی تھیوریز کی دورِ حاضر میں مطابقت پر کام ہونا چاہیے-

وقفہ سوال وجواب:

وقفہ سوال وجواب میں مقررین کی جانب سے کیے گئے اظہارِ خیالات کا خلاصہ ذیل میں دیا گیا ہے:

اگر کوئی شخص اپنے باطن کو تسخیر کرنا چاہتا ہے تو اخلاص اس کے لیے پہلی شرط ہے- اس مقصد کے لیے دل میں طلب کا ہونا بہت ضروری ہے- طلب کے بغیر گمراہی ممکن ہے- اس سلسلے میں کچھ بنیادی پریکٹسز ہیں جیسا کہ مراقبہ، اس بنیادی طریقہ کار کو اختیار کر کے تلاشِ حق کے ساتھ دنیاوی ذمہ داریوں کو بھی نبھایا جاسکتا ہے- توازن اس طریقہ کی خوبصورتی ہے جس کے ذریعے انسان اپنے قریبی رشتہ داروں جیسا کہ ماں باپ، بہن بھائی، بیوی اور خاوند کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنا روحانی سفر بھی جاری رکھے- رومی کے فلسفہ میں یہ شگفتگی ہے کہ وہ انسان کے مادی تقاضوں کو چھیڑے بغیر راہنمائی فراہم کرتا ہے اور ایک شخص اپنی روزمرہ زندگی کو ڈسٹرب کیے بغیر روحانی راستے پر گامزن ہو سکتا ہے- اس کے لیے اسے ایک کامل رہنما چاہیے جو اس کی تربیت کرے- رومی ایک ایسے روحانی پیشوا کی بات کرتے ہیں جو اس راہ طریقت کی تمام مشکلات سے واقف ہو-

حضرت علامہ محمد اقبال نے اس توازن کو کیسے برقرار رکھا؟ آپ ایک ماہرِ قانون اور شاعر ہونے کے ساتھ ایک ماہر سیاسی تجزیہ کار بھی تھے- آپ وسیع حلقہ احباب کے علاوہ مختلف لوگوں سے رابطہ رکھتے تھے؛ آپ اہل خانہ کے ساتھ بھی وقت گزارتے تھے- علامہ اقبال سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو مفکرِ امت کا رتبہ کیوں دیا گیا ہے- آپ نے جواب دیا کہ اللہ عزوجل نے ان کو امت کے راز عطاء کیے ہیں- اس نے دوبارہ استفسار کیا کہ آپ کو ہی کیوں اس کام کے لیے چنا گیا- اقبال کا جواب تھا کہ آپ نے بارگاہِ رسول (ﷺ) میں ایک کروڑ مرتبہ درودِ پاک کا نذرانہ پیش کیا ہے- یہ حضرتِ اقبال کی اس عبادت گزاری کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ پر سربستہ رازوں کا انکشاف کیا گیا- ایک فرد اپنی روحانی اور ظاہری زندگی میں توازن پیدا کر سکتا ہے اگر وہ اپنے وقت کا تعین دانشمندی سے کرے-

☆☆☆

لفظ حیاتِ انسانی کا حیران کن پہلو

(آخری قسط)

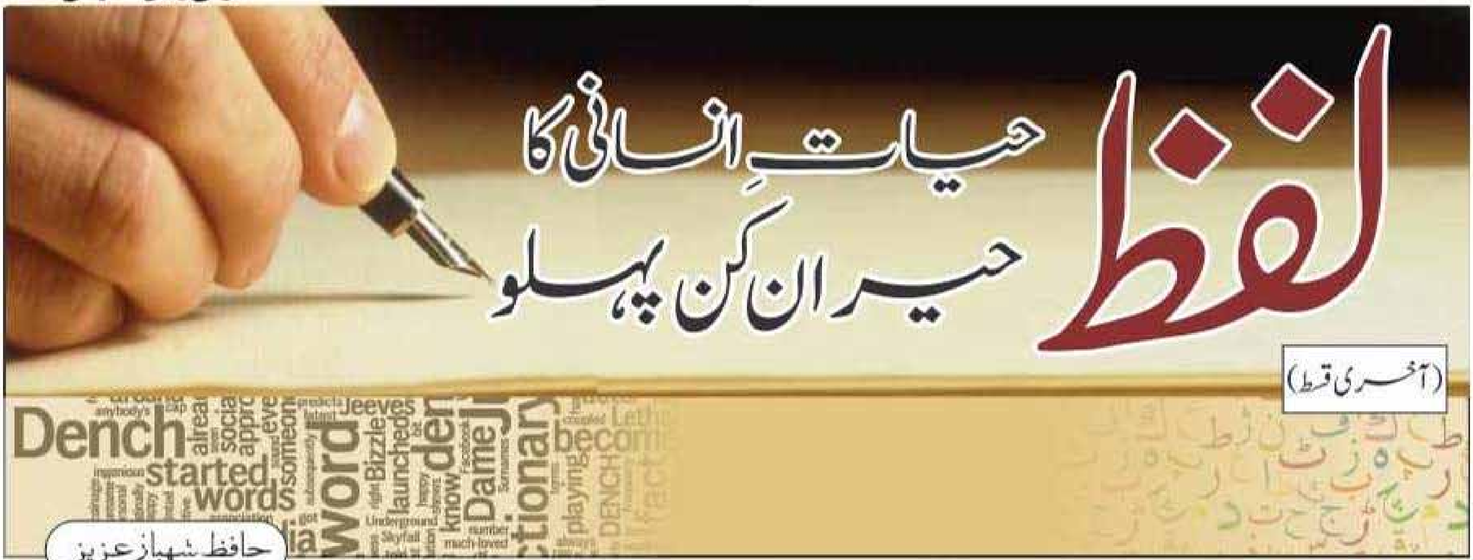

حافظ شہباز عزیز

فلسفہ میں زبان کی حیثیت:

دنیائے قدیم و جدید کے جتنے بھی عظیم فلاسفہ اور مکاتب فکر ہیں تمام نے خدا اور انسان، کائنات اور فطرت کے متعلق بحث اور حقائق سے آشنائی کے ساتھ ساتھ مابعد الطبیعات، اینتھرو پولوجی، نظریہ علم (Epistemology)، اخلاقیات، منطق، پولیٹیکل سائنس و نیچرل سائنس جیسے علوم تک رسائی، واقفیت، فہم و درک اور خود فلسفہ کے اظہار کیلئے زبان کو بنیاد اور آلہ کار کے طور پر استعمال کیا ہے- دور جدید میں بھی عمرانیات، سیاسیات، اقتصادیات، ریاضیات، طبیعیات، حیاتیات، فلکیات، نفسیات، صنعت و حرفت، تاریخ، جغرافیہ، قانون، طب، کیمیا، آرٹ، تعمیر، تحریر و تکلم اور شاعری جیسے علوم و فنون کا اظہار اور تفہیم صرف زبان ہی کی بدولت ممکن ہے-

اس گلوبل ولیج میں جہاں انسان کا دیگر انسانوں سے تعلقات و ضروریات (سفارتی، سماجی، معاشی، دفاعی جیسے) میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے وہیں زبان کی افادیت، ضرورت و اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا- اقوال ذیل سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زبان (الفاظ) کسی بھی ملک، قوم اور سماج کیلئے کس قدر ناگزیر ہے-

”مشہور ماہر لسانیات ایڈورڈ سپیئر کا کہنا ہے کہ ہر ثقافتی نمونہ اور ہر ایک سماجی رویے کے عمل میں مواصلات کا عمل دخل ہوتا ہے چاہے وہ واضح ہو یا مخفی صورت میں موجود ہو اس کے اظہار کیلئے ذریعہ صرف زبان ہے“-[1]

آسٹرین-برٹش فلسفی لوڈنگ آنگسٹائن یوں گویا ہوا کہ میری زبان کی حدود (Limitations) کا مطلب ہے میری دنیا کی حدود- یعنی وہ بتانا چاہتا ہے کہ میرے افکار، نظریات، احساسات اور جذبات کی دنیا زبان (Language) ہی سے وابستہ ہے میری زندگی سے جڑے مذکورہ عوامل کو زبان ہی سے بیان کیا جا سکتا ہے-

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سپریم کورٹ کے سابق ایسوسی ایٹ جج اولیور وینڈیل ہومس نے کہا تھا کہ:

”زبان (Language) روح کا خون ہے جس میں خیالات گردش کرتے اور نشو نما پاتے ہیں“-[2]

نامور مؤرخِ فلسفہ برٹرینڈ رسل کا کہنا ہے کہ:

”زبان (الفاظ) محض خیالات کا اظہار نہیں کرتی بلکہ افکار کو ممکن بھی بناتی جو کہ اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے“-[3]

اسی بات کو بالفاظ دیگر بیسویں صدی کے فلسفی وگنسٹائن نے زبان کے ماخذ کے طور پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ:

”فلسفہ در حقیقت زبان ہی کے مطالعہ کا نام ہے“-[4]

عصر حاضر اور مذہب میں زبان کی اہمیت:

موضوع کے تناظر میں ایک نہایت قابل غور نکتہ ہے کہ کچھ ارتقاء پسندانہ (Evolutionist) نظریات کے حامی زبان

[1]https://www.ijhssnet.com/journals/Vol_2_No_17_September_2012/24.pdf
[2]https://voxy.com/blog/2011/04/inspirational-quotes-for-language-learners/
[3]https://www.goodreads.com/quotes/387839-language-serves-not-only-to-express-thought-but-to-make
[4]https://www.jstor.org/topic/language/?refreqid=excelsior%3A16288a47ea1ce62180ab8cb942016574

کو محض "موڈ آف کمیونیکیشن" قرار دیتے ہیں اور انسانوں کی جانوروں سے تفریق محض ان کی صلاحیت مواصلات (زبان) کو قرار دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی دنیا میں کوئی غیر انسانی زبان موجود نہیں یعنی زبان صرف انسانوں کے درمیان بات چیت کا نام ہے-[5] حالانکہ ایسا کہنا وسعتِ زبان سے ناانصافی تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ یہ دنیا میں اب تک زبان کے توسط سے ہونے والی تحقیق اور ذخیرہ علم سے بھی انحراف ہے کیونکہ زبان نہ محض انسانوں کے مابین بلکہ خالق و مخلوق کے درمیان تعلق کا بھی ایک اہم ذریعہ ہے-

خود خالق کائنات نے اپنی حقانیت کا اظہار بھی انبیاء (علیہم السلام) کے ذریعے اس وقت رائج انسانی زبان میں فرمایا اور تمام انبیاء و رسل (علیہم السلام) پر آسمانی کتب، صحائف اور وحی کے نزول کا عمل بھی مختلف زبانوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچا- ابو البشر سیدنا حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر خاتم المرسلین تاجدار انبیاء (علیہم السلام) حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک جتنے بھی انبیاء کرام (علیہم السلام) تشریف لائے تمام نے بنی نوع انسان میں اصلاح معاشرہ اور دعوت الی اللہ کا فریضہ اس وقت رائج انسانی زبان میں سر انجام دیا- قرآن کریم (جو خالق و مخلوق کے درمیان تعلق کا بے مثل و لازوال ذریعہ ہے) کے ذریعہ پیغام ہدایت کا اظہار بھی عربی زبان میں فرمایا جو اس وقت عرب میں رائج تھی تاکہ اہل عرب اسے بہتر طریقے سے سمجھتے ہوئے اپنے خالق کے ساتھ تعلق استوار کر سکیں اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ:

"إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ"[6]

"بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی (زبان) میں نازل کیا ہے تاکہ تم اس کو سمجھ سکو"-

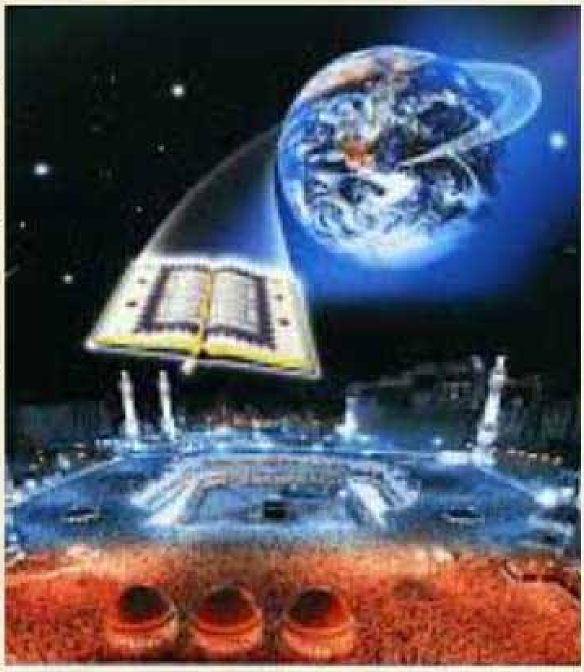

قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر زبان کی اہمیت سے آگاہ کیا گیا ہے-

"زبان اور بولنے کی طاقت خدا کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے اور تخلیق انسانی کے بعد سب سے اہم چیز زبان ہے جس کی وضاحت صریحاً قرآن کریم کی "سورۃ الروم آیت: 22" سے ہوتی ہے کہ رب ذو الجلال نے لسانیات میں تغیرات کو روا فرمایا ہے اور یہ خدا کی نشانیوں میں سے ایک ہے"-[7]

بطور مسلمان جب بندہ اپنے خالق کی بارگاہ میں بھی التجاء پیش کرنا چاہتا ہے تو وہ مخصوص زبان ہی میں اپنا مدعا بیان کرتا ہے- الغرض زبان حیاتِ انسانی میں ایسی حقیقتِ مطلق ہے اور رہی ہے کہ جس کے وجود کا انکار ناممکن ہے-

زبان، خدا کی نشانی ہونے کی بڑی دلیل کرۂ ارض پر مختلف تہذیبوں میں بولی جانے والی مختلف اور بے شمار زبانیں ہیں جو اپنے رسم الخط اور ارتقائی مراحل میں بدرجہ والی ایک دوسری سے الگ ہیں- مثلاً اہل عرب کی زبان اور ہے، عبرانی، انگریزی، فارسی، جرمن، فرانسیسی، ہسپانوی زبان اور ہے- ان تمام کا خالق بلاشک و شبہ وہ ذات باری تعالیٰ ہے جس نے ہم سب کو پیدا فرمایا اور یہ ایسی حقیقت مطلق ہے جس سے انکار ممکن نہیں- لیکن اس حقیقت سے بھی قطع نظر نہیں کیا جا سکتا کہ انسان زمین پر خلیفۃ اللہ (اللہ کا نائب) ہے جسے خالق کائنات نے تسخیر فطرت کا کام سونپتے ہوئے استقرائی طرز فکر بخشا اور بے شمار تخلیقی صلاحیتوں سے نوازا جن میں سے ایک اہم تخلیقی صلاحیت انسانوں کے میل جول سے نئی زبان کا وجود میں آنا بھی ہے اور یہ انسان کے تخلیقی کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ ہے-

[5]https://kampungtadris.wordpress.com/2011/09/28/the-origins-of-human-language-islamic-perspective-and-science/

[6](الیوسف:2)

[7]http://www.jallr.com/index.php/JALLR/article/viewFile/616/pdf616

تغیراتی عمل اور زبان کا ارتقاء:

مختلف زبانوں کے الفاظ اور لوگوں کے میلان سے ایک نئی زبان کا جنم لینا بھی لسانیات میں تغیر کی ایک غیر معمولی نشانی ہے جس کی بے شمار مثالیں ہیں- مثلاً اردو، جس کے آغاز وارتقاء کا اگر ہم مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کے یہ لوگوں کے میلان اور مختلف زبانوں (عربی، فارسی اور ترکش وغیرہ) کے اختلاط سے وجود میں آئی جس وجہ سے یہ لشکری زبان کہلاتی ہے- اس انسانی صلاحیت اور زبان کی حقانیت سے متعلق مولوی فیروز الدین اپنی شہرہ آفاق اردو لغت "جامع فیروز اللغات" میں اردو زبان کے ارتقاء کے متعلق ایک دلچسپ تحقیقی مقالہ میں کچھ یوں لکھتے ہیں کہ:

"انسان کا شاید سب سے بڑا تخلیقی کارنامہ زبان ہے- ہم دراصل زبان کے ذریعے اپنی ہستی کا اور اس رشتے کا اقرار کرتے ہیں جو انسان نے کائنات اور دوسرے انسانوں سے قائم کر رکھے ہیں- انسان کی ترقی کا راز بھی بہت کچھ زبان میں پوشیدہ ہے کیونکہ علم کی قوت کا سہارا زبان ہی ہے"-[8]

تغیرات کے تناظر میں یہ ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ بہت سی زبانیں مختلف ادوار اور تہذیبوں کے تبادل سے تغیراتی عمل سے گزری ہیں جیسا کہ اردو (زبان) کی مثال اوپر بیان کی گئی ہے-

زبان (الفاظ) کے استعمال میں فرق:

زبان کے متعلق ایک قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ زبان فقط الفاظ اور حروف کے مجموعہ کا نام ہی نہیں بلکہ اپنی پہچان میں یہ ایک ہمہ جہت شئے ہے- الفاظ (زبان) میں بھی تفریق پائی جاتی ہے مثلاً جو الفاظ ہم روزمرہ کے عوامی، نشریاتی اور کاروباری مقاصد کیلئے استعمال میں لاتے ہوئے اکثر اوقات گرائمر، لفظ کے محلِ استعمال، نحوی بندھن اور صحتِ تلفظ کا خیال نہیں رکھ پاتے وہ ان الفاظ (زبان) سے بالکل مختلف ہیں جو ادبی، علمی اور تحقیقی سرگرمیوں میں استعمال ہوتے ہیں جن میں گرائمر، الفاظ کے معنی، اتار چڑھاؤ، محلِ استعمال، رسم الخط، صحتِ تلفظ، نحوی ترکیب، تقدیم و تاخیر اور لہجے کا بھی باقاعدہ خیال رکھا جاتا ہے اور اگر نہ رکھ پائیں تو تحریر کا معنی و مفہوم بدل جاتا ہے- علاوہ ازیں مختلف زبانوں میں لکھی جانے والی عبارات میں تلمیحات، تشبیہات، استعارات اور ضرب الامثال کا استعمال بھی اس کے حسن، آن بان اور شان میں اضافہ کرتا ہے- اسی طرح بے شمار زبانوں میں موجود لغات (Dictionaries) میں استعمال ہونے والے الفاظ کی بھی اپنی ایک جدا گانہ حیثیت ہے-

الفاظ کا چناؤ:

زبان میں الفاظ کا چناؤ اور موزوں استعمال بھی حیاتِ انسانی میں نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی بدل دیتے ہیں اور کچھ ایسے کہ تا ابد اوراقِ تاریخ میں اس کی شخصیت کے ساتھ امر ہو جاتے ہیں- یہ الفاظ اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی- مثلاً مجاہدِ اسلام، شیر میسور ٹیپو سلطان کا یہ جملہ آج بھی زبان زد عام ہے کہ "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے"- الفاظ کی اہمیت اور مناسب استعمال سے متعلق ڈاکٹر محمد ارشد اویسی اپنی تصنیف "غیر پارلیمانی الفاظ" میں لکھتے ہیں کہ:

---

[8] http://www.urdumajlis.net/threads/8989/

"انسانی کردار کی مانند الفاظ و محاورات بھی عظمت، تمکنت اور وقار کے حامل ہوتے ہیں- ان کا بے جا اور نامناسب استعمال ان کے کردار کو ماند بھی کر سکتا ہے"-

مزید تحاریر میں الفاظ کے چناؤ کے حوالے سے عصر قدیم کے مشہور نقاد (Longinus) کی تصنیف "On the sublime" میں درج الفاظ قابل ستائش ہیں-

"آپ کے خیالات اور تصورات کتنے ہی عظیم کیوں نہ ہوں جب تک آپ کے پاس صحیح اور موزوں الفاظ نہ ہوں تو آپ تحریر کو رفعت عطا نہیں کر سکتے"-[9]

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم الفاظ کا استعمال اور انتخاب تحاریر اور گفتگو میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں- دراصل الفاظ ہی انسانی شخصیت، اس کے مزاج، اخلاق اور طرز زندگی کے عکاس ہوتے ہیں- اسی لئے بہترین اور شائستہ الفاظ کا انتخاب ہی انسان کو عزت و وقار کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے جبکہ الفاظ کا ناشائستہ (نامناسب) استعمال انسان کو بلند مراتب و درجات میں بھی کم تر اور حقیر حیثیت پر لا کھڑا کرتا ہے-

قومی زبان اور تشخص:

یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کی ملی، تہذیبی، ثقافتی، مذہبی اور تاریخی شناخت کی بقاء کے لئے زبان (قومی زبان) کو بنیادی حیثیت حاصل ہے- قومی زبان کے ذریعے ہی ہم مؤثر طریقے سے اپنے مذہب، تہذیب و ثقافت اور تاریخی حقائق جان سکتے ہیں- زبان ہی دراصل قوموں کے اسلاف کے سرمایہ ادب، ان کی خدمات اور کارناموں کی امین ہوتی ہے- اس کا مطلب ہر گز یہ بھی نہیں کہ ہم دیگر زبانوں سے بے اعتنائی برتیں کیونکہ دیگر اقوام سے تفاعل (Interaction)، ان کے نظریات، تہذیب و تمدن اور ثقافت کو سمجھنے کیلئے ان کی زبان سیکھنا بھی ضروری ہے مگر اولین ترجیح اپنی زبان (قومی زبان) ہی ہونی چاہئے- با الفاظ دیگر دنیا میں جو اقوام بھی اوج ثریا پر مقیم ہوئیں سب کا مطمع نظر ہمیشہ سے اپنی تہذیب و ثقافت، مذہبی شناخت اور قومی زبان کی حفاظت و فوقیت رہا ہے جس کی تابندہ مثال ہمارا ہمسایہ دوست ملک چین ہے-

برعکس مندرجہ بالا تحریر جو اقوام اپنی اس شناخت کی قدر نہیں کرتیں اور اس کے تحفظ کیلئے خاطر خواہ اقدام نہیں اٹھاتیں وہ اقوام عالم کی نگاہ میں اپنا وقار کھو بیٹھتی ہیں اور ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاتی ہیں- بلکہ زبان تو قومی اتحاد، ملی یکجہتی، تعمیر و ترقی کے علاوہ آزادی اور غلامی، جیت اور شکست کا مسئلہ ہے جیسا کہ مشہور فرانسیسی ناول نگار "Alphonse Dauet" اپنی کتاب لاسٹ کلاس (Last Class) کے ایک سبق جو "Last Lesson" کے عنوان سے معنون ہے؛ میں جرمن استاد شکست کی اصل وجہ اپنی قومی زبان سے دوری گردانتا ہے اور آزادی کی اولین شرط قومی زبان سے قربت (لگاؤ) ٹھہراتا ہے- شاید زبان کی اسی اہمیت کے پیش نظر بانئ پاکستان حصوں کو باہم متحد ہو کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونا ہے تو اس کی سرکاری زبان ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ میری ذاتی رائے میں اردو اور صرف اردو ہے"-[10]

ہمیں فخر ہونا چاہیے کہ ہماری زبان (اردو) اس وقت دنیا کے مختلف ممالک، تحریکوں اور علاقوں کی ترجمان ہے- اردو زبان کی انفرادیت کی بات کریں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ

"اردو زبان لفظ و معنی سے گزر کر اور تمام لسانی مراحل طے کر کے جذبات تک رسائی کرتی ہے- اس زبان نے اپنی زندگی کو دنیا کی انسانیت، ادبی تغیرات اور ساختیاتی صورت میں منتقل کیا ہے اور کر رہی ہے یہی اردو زبان کی زندگی کا راز ہے"-[11]

لیکن صد افسوس! کہ ہم نے اپنی قومی زبان (اردو) کو پس پشت ڈال دیا اور جس کا نفاذ (سرکاری زبان کے طور پر) اس وقت تک واضح آئینی حیثیت ہونے کے باوجود ایک خواب سا بن کر رہ گیا جو شاید ہماری تنزلی اور اقوام عالم کی نسبت ترقی کی رفتار میں پیچھے رہ جانے کا واضح ثبوت ہے- اس وقت وطن

[9] http://nlpd.gov.pk/uakhbareurdu/marchapril2013/M,%20A_6.html

[10] (تحسین حسین، 2008، قائد اعظم ارشادات و اقتباسات، نزیر سنز پبلیشرز، لاہور)

[11] http://www.urdulinks.com/urj/?p=194

عزیز (پاکستان) کو جہاں بے شمار دیگر مسائل کا سامنا ہے وہیں ملک کی قومی زبان (اردو) کا نفاذ نہ ہونا بھی ایک اہم مسئلہ ہے جس کے حل کیلئے بانئ پاکستان کے مذکورہ بالا فرمان کو عملی جامہ پہنانے کی اشد ضرورت ہے۔

ہمارا علمی ورثہ اور زبانیں:

جب ہم اردو کی بات کرتے ہیں تو ہمیں عربی اور فارسی (زبان) کی اہمیت و حقانیت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہماری جو اصل مذہبی اقدار ہیں اس میں قرآن وسنت، علمِ حدیث واصولِ حدیث، فقہ واصولِ فقہ، علمِ تصوف اور دیگر علوم وفنون جس طرح صرف و نحو، منطق، علمُ الاشتقاق، شعر و ادب وغیرہ سب عربی زبان میں موجود ہیں۔ عصرِ حاضر میں بھی فصاحت و بلاغت، وسعت الفاظ، علمی، ادبی، تحقیقی، سفارتی، تجارتی اور عوامی اعتبار سے کسی زبان کو مرکزیت حاصل ہے تو وہ عظیم زبان عربی ہی ہے۔ اسی طرح فارسی جو صدیوں سے ہمارے کلچر کا حصہ ہے جس کی واضح جھلک ہم درج ذیل پیرائے میں دیکھ سکتے ہیں۔

"یہ غنی زبان (فارسی) گزشتہ آٹھ (8) صدیوں سے محمود غزنوی کی برِصغیر پاک وہند میں لشکر کشی (329ھ-ق) اور انگریزوں کے تسلط سے (1274ھ-ق) تک، ہندوستان کی حکومتوں کی دفتری زبان رہی ہے۔اس دوران تقریبا 30 فارسی گو سلسلوں نے ہندوستان پر حکومت کی۔دانشور، سپاہی، شاعر اور مصنف اس وسیع و عریض خطہ ارض پر فارسی زبان میں گفتگو کرتے اور لکھتے حتی کہ علاقائی اور مقامی لوگ بھی فارسی زبان سیکھنے کی طرف مائل تھے۔ جس کے نتیجے میں فارسی اس سرزمین کی ثقافت، دیگر شعبوں اور مختلف خطوں بالخصوص (موجودہ) پاکستان پر مکمل طور پر پھیل گئی۔فارسی گو شعراء اور مصنفین کا اس سرزمین پر ظہور ہوا"۔[12]

اگرچہ دوسری زبانوں میں بھی عربی اور فارسی ادب کے تراجم موجود ہیں جن سے ہمیں ضرور استفادہ کرنا چاہیئے لیکن جو اصل متن (عربی اور فارسی کا) ہے اس سے بھی ہمارا تعلق قائم رہنا چاہیئے جو کہ ہمارے اسلاف کا طریق رہا ہے جن میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ، امام ابو حامد محمد الغزالیؒ، حضرت سلطان باھوؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ، ابو المعانی عبد القادر بیدلؒ اور علامہ محمد اقبالؒ جیسی شاہکار ہستیوں کے نام نمایاں ہیں جنہوں نے عربی و فارسی میں گراں بہا خدمات سرانجام دیں اور جن کی بدولت آج یہ ادب (عربی و فارسی) زندہ و تابندہ ہے۔اردو زبان کے فروغ کے ساتھ ساتھ ہمیں عربی و فارسی کے فروغ کیلئے بھی کام کرنا چاہیے اور ہمیں ان سے آج اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ بحال کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم اپنی بنیادی اقدار کھو نہ بیٹھیں۔

جہاں تک الفاظ سے محبت و انسیت کا تعلق ہے تو دورِ جدید کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم الفاظ سے اپنا تعلق و رشتہ مضبوط رکھیں کیونکہ الفاظ ہماری زندگی کی حرکت و کیفیت اور شخصیت کے آئینہ دار ہیں۔ جس کیلئے لازم ہے کہ ہم مطالعہ کتب کو اپنے مشاغلِ زندگی کا حصہ بنائیں جس کے شوق اور جستجو کا آج ہماری نوجوان نسل میں فقدان نظر آتا ہے۔ہمیں چاہیے کہ اوائل عمری سے ہی بالخصوص اپنی نئی نسل میں کتاب بینی کے شوق اور عادت کو فروغ دیں جس کیلئے پرائمری سطح (گھروں، سکولوں) میں چلڈرن لائبریریز کا قیام عمل میں لایا جائے اوران میں بچوں کی ذہنی استعداد کے مطابق مواد (کتب) کا بندوبست کیا جائے تاکہ الفاظ وزبان سے ان کا رشتہ قائم رہ سکے اور وہ مستقبل میں ملک و قوم کی ملی، مذہبی، تاریخی اور تہذیبی و ثقافتی میراث کے محافظ اور امین ثابت ہو سکیں۔

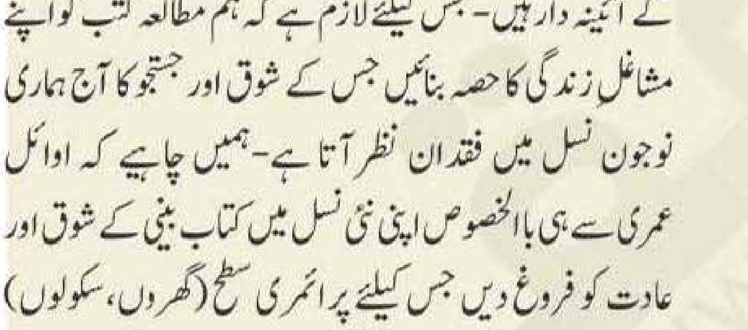

☆☆☆

[12] (ڈاکٹر علی کمیل قزلباش، 2017، سخن عشق، ثقافتی قونصلیٹ، سفارت اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد)

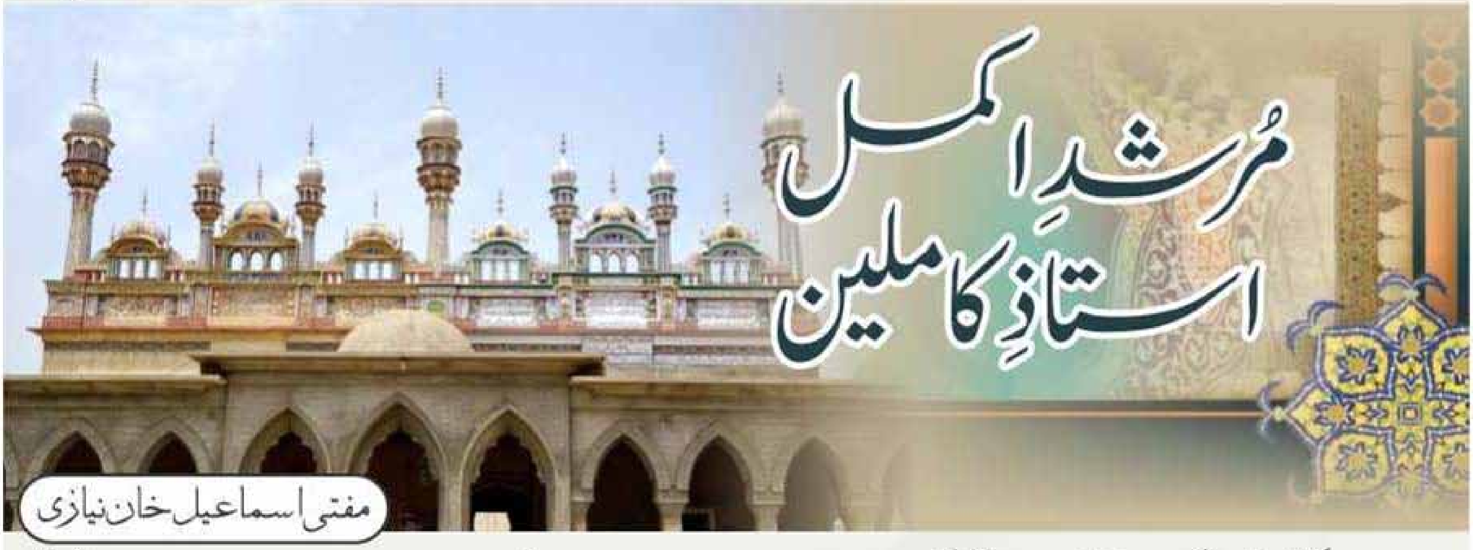

مُرشدِ اکمل استاذِ کاملین

مفتی اسماعیل خان نیازی

اسلام کیلئے جن لوگوں نے قربانیاں پیش کی ہیں ان میں خانوادۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام سرِفہرست ہے- کہیں نواسہ رسول، سید الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سب کچھ قربان فرما کر اسلام کو یزیدیت کے جبر و استبداد سے نجات دلاتے ہیں اور کہیں محبوبِ سبحانی سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی (رضی اللہ عنہ) اسلامی تعلیمات کی احیاء فرما کر اللہ پاک کی بارگاہِ صمدیت سے ”محی الدین“ کا لقب پاتے ہیں، اسی خانوادۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چشم وچراغ شہبازِ عارفاں سید سلطان محمد بہادر علی شاہ صاحب کاظمی مشہدی (قدس اللہ سرّہٗ) کی ولادت باسعادت 1217ھ بمطابق 1801ء میں پنجاب، ضلع جھنگ کی تحصیل شورکوٹ کے ایک قصبہ ”حسّو والی“ میں ہوئی- سات (7) سال کی عمر میں آپ (قدس اللہ سرّہٗ) کے والدِ محترم حضرت سید فتح محمد شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے دینی تعلیم کی غرض سے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو ملتان لے جانے کا فیصلہ فرمایا- ملتان جانے سے پہلے دربار حضرت سخی سلطان باھو صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) پہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی- بعض روایات کے مطابق سات (7) دن درِ پُر انوار پہ قیام کا شرف ملا، انہی دنوں میں حضرت سلطان باھو صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی نگاہِ فیض سے سید سلطان محمد بہادر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو ظاہری و باطنی علوم سے مالا مال فرمادیا- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضور سلطان العارفین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی انہی نوازشات کا تذکرہ بعد میں اپنے کلام میں یوں بیان فرمایا:

> عشق دا مکتب کھولیا اے سلطان سوہنے عالیشان سائیں
> داخل مکتب ہوون جانن یکساں سود زیاں سائیں
> دے الف دکھائے ہک صحیح استاد ہے اہلِ عرفان سائیں
> سلطان بہادر شاہؒ مدارج طے ہوون ہک آن تے ہک زمان سائیں

یہی وجہ ہے کہ جب آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ملتان مدرسے میں تشریف لے جاتے ہیں تو مدرسے کے مہتمم سید عبید اللہ شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے جب آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو پڑھانے کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو نہ صرف مکمل قرآن پاک حفظ ہے بلکہ تمام مروجہ علوم پہ بھی مہارت حاصل ہے- سید عبید اللہ شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) بہت حیران ہوئے جب ان کو حقیقتِ حال کا علم ہوا تو انہوں نے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے والد صاحب کو بلا کر بتایا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے بیٹے کو سلطان العارفین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے ”علم لدنی“ عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے انہیں ظاہری علوم کی بھی احتیاج نہیں رہی-

سید فتح محمد شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے صاحبزادے کو لے کر واپسی پہ دوبارہ حضرت سخی سلطان باھو صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے دربار پُر انوار پہ حاضر ہوئے، رات کو خواب میں حضور سلطان العارفین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا:

"اس بچے کی نگرانی میرے ذمہ ہے اس کو یہیں چھوڑ کر آپ گھر جاسکتے ہیں"۔[1]

سید سلطان محمد بہادر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی پوری زندگی مبارک حضرت سخی سلطان باھو صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) سے وفا سے عبارت ہے۔ایک روایت کے مطابق آپ (رحمۃ اللہ علیہ) 12 سال زائرین کے وضو وغیرہ کیلئے پانی کی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے۔اسی دوران حضرت سلطان باھو صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے خزانۂ فقر عطا فرما کر یہ حکم بھی فرمایا کہ: یہ امانت میری اولاد میں سلطان محمد عبد العزیز صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو منتقل کرنا جو کہ پیدائشی طور پہ ناف بریدہ ہوں گے۔

"ایک مرتبہ دربار سلطان العارفین (رحمۃ اللہ علیہ) پہ حضرت سخی سلطان محمد عبد العزیز صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے بچپن میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، تو حضرت سخی سلطان بہادر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کافی دیر تک آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے۔ سلطان الفقر (ششم) حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے والد ماجد سے روایت بیان فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد صاحب نے اس واقعہ کو بتایا کہ فقر کی امانت تو اس وقت منتقل ہوگئی تھی جب نظروں سے نظریں ملی تھیں، بعد میں محض رسوم ادا ہوتی رہیں"۔[2]

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

طیبہ سے منگائی جاتی ہے سینوں میں چھپائی جاتی ہے
توحید کی مئے ساغر سے نہیں نظروں سے پلائی جاتی ہے

آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی زندگی مبارک کا لمحہ لمحہ سبق آموز ہے کیونکہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی زندگی مبارک جہاں طالبانِ مولیٰ کو طلبِ صادق، خلوص، حسنِ سیرت، توکل علی اللہ اور جہدِ مسلسل کا درس دیتی ہے وہاں اس بات پہ بھی زور دیتی ہے کہ انسان چاہے جس مقام پہ بھی پہنچ جائے اس کے لیے کسی صاحبِ حال، مرشدِ کامل، اکمل مکمل جامع نور الھدیٰ کی صحبت و رفاقت نہایت ضروری ہے تاکہ وہ قرآن فہمی اور احادیث مبارکہ کے اسرار و رموز کو اپنے من میں اُتار سکے۔

ظاہری بیعت و مرشد کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ اتنی مشقت و نوازشات ہونے کے باوجود سلطان العارفین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو 1918ء میں حضرت سید پیر عبد الغفور شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے دست اقدس پہ بیعت ہونے کا حکم مبارک فرمایا۔[3]

ظاہری مرشد کی بیعت و رفاقت کی اہمیت کو آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے کلام میں یوں بیان فرمایا ہے:

مجرم نوں محرم پیر کرے بخشے جاہل نوں علم عیان بیلی
کافر فاسق تے جیکر نظر کرے ہووے کامل اہل عرفان بیلی
وسیلہ اہل ایمان تے فرض ہوا ثابت نال آیات قرآن بیلی
سلطان بہادر شاہؒ رموز تے راز کھلن جد مرشد کرے دھیان بیلی

آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے ذوقِ مطالعہ اور محبتِ علم کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت سخی سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کی کئی کتب مبارکہ کے قلمی نسخہ جات تحریر فرمائے۔ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے سونے کے پانی سے لکھے ہوئے اسم اللہ ذات طالبان مولیٰ کو عطا فرمائے کیونکہ اسم اللہ ذات کا عطا کیا جانا صوفیاء کرام کا طریق چلا آرہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا خان بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

قد کنت رایت تالیفًا لبعض المشارقة یقول فیھا انه ینبغی لذا کر (اسم) الجلالة من المریدین ان یکتبه بالذھب فی ورقة ویجعله نصب عینیه[4]

"میں نے بعض اہل مشرق کی تالیف میں دیکھا ہے کہ مریدین میں سے جو اسمِ جلالت (اسم اللہ ذات) کا ذاکر ہو

[1] (ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل، فروری 2012)
[2] (ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل، جنوری 2009)
[3] (ایضاً)
[4] (فتاویٰ رضویہ، ج:21، ص:447)

اسے چاہیے کہ اسم جلالت کو سونے سے ایک ورق پر لکھ کر اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے"۔

آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے جہاں قلمی نسخہ جات تحریر فرمائے ہیں وہاں شاعری کی صورت میں پنجابی کلام بھی تحریر فرمایا ہے جو خالصتاً طالبانِ مولیٰ کی رہنمائی کیلئے ہے- جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

ضرور ہے نور حقیقت دا جس سمجھ لیا مقبول ہویا
بے سمجھاں نوں علم گمراہ کیتا العلم حجاب فضول ہویا
موقوف سبھے گلاں فضل اتے معروف حصول وصول ہویا
سلطان بہادر شاہؒ امین یقین کیتا اے خائن کل مجہول ہویا

مزید آپ (رحمۃ اللہ علیہ) حضور خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان اقدس میں لب کشائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جاہل جیندا پیشوا ہووے اوہ کتھوں محمدؐ دا شان جانے
صدیق تصدیق تحقیق کیتا جہڑا من رانی عیان جانے
جیں اللہ ہادی پچھان لیا اوہ علمہ البیان جانے
سلطان بہادر شاہؒ پیر توں بھل ناہیں وسواس قیاس شیطان جانے

اولیاء اللہ کو اللہ پاک جہاں دنیاوی حیات مبارکہ میں جاہ وجلال عطا فرماتا ہے وہاں برزخی زندگی کو اہلِ ایمان کے لیے فیض رساں بنا کر ان کے تصرفات اور فیوض وبرکات کو کائنات میں جاری وساری فرما دیتا ہے- جیسا کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان مبارک ہے:

"المؤمنون لا يموتون بل ينقلون من دار إلى دار"[5]

"مؤمنین مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہوتے ہیں"-

اس حدیث مبارک کا عملی اظہار ہمیں حضور پیر صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذات مبارک میں بھی ملتا ہے جیسا کہ خلیفہ بابا احمد (رحمۃ اللہ علیہ) نے بیان فرمایا کہ:

"ہم ایک مرتبہ حضرت سلطان محمد عبد العزیز صاحب (قدس اللہ سرّہٗ) کے ہمراہ سفر میں تھے- مَیں قافلے سے پیچھے رہ گیا، میرا سامان بھی اونٹ سے گر گیا اور اس وقت

قریب قریب کوئی ایسا شخص بھی موجود نہ تھا جس سے مدد لی جا سکے- دیکھتا ہوں کہ اتنے میں حضرت سخی سلطان محمد بہادر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) تشریف لاتے ہیں، میرے ساتھ سامان اس اونٹ پر رکھواتے ہیں اور جب میں ملاقات کا ارادہ کرتا ہوں تو آپ (رحمۃ اللہ علیہ) آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے"-[6]

اسی طرح آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی حیات مبارکہ میں اور بعد از وصال مبارک کئی خرق عادت امور کا ظہور ہوتا ہے لیکن سلسلہ قادریہ میں کرامت کو پرِ کاہ جتنی بھی حیثیت نہیں دی جاتی بلکہ کرامت پہ استقامت کو ترجیح دی جاتی ہے-

زندگی کی 133 بہاریں دیکھنے کے بعد گلستانِ قادریہ کے یہ چشم وچراغ 27 فروری 1934ء میں اس جہانِ فانی سے اپنا رختِ سفر باندھا- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کا دربار پُر انوار اڈا قاسم آباد تحصیل شورکوٹ سے 1.5 کلومیٹر مشرق کی طرف موضع فرید کاٹھیہ میں ہے- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کا عرس مبارک 26 اور 27 فروری کو انعقاد پذیر ہوتا ہے-

اگر حقائق کو مدِ نظر رکھا جائے تو حق یہ بنتا ہے کہ بے دین، اسلامی تہذیب سے عاری افراد کو مسلمان طلبہ کے سامنے ہیرو بنا کر پیش کرنے کی بجائے ایسے افراد کو رول ماڈل کے طور پہ پیش کیا جانا چاہیے جن کے شب وروز اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت میں گزرے ہیں- جنہوں نے اپنا تن، من، دھن فروغ اسلام کیلیے وقف کر دیا- اس سے نہ صرف ان پاکیزہ ہستیوں کو خراجِ عقیدت پیش کی جا سکے گی، ساتھ ہی ہماری قوم کے نونہالوں کی تربیت بھی اس نہج پہ ہو گی جس پہ اللہ کی چاہت ہے- اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو---! آمین

☆☆☆

[5] (مفاتیح الغیب، جلد:25، ص:75)

[6] (ماہنامہ مراۃ العارفین انٹرنیشنل، فروری 2012)

فرید العصر، عدیم النظیر، بحر امن بحور العلم

امام الآئمہ ابن خزیمہ (رحمۃ اللہ علیہ)

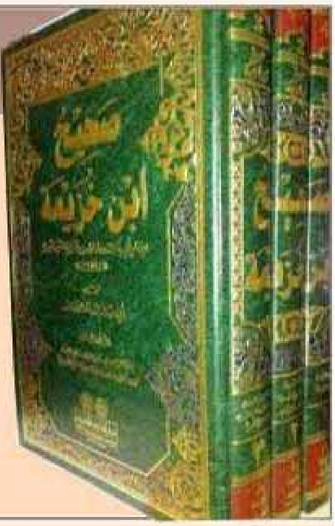

مفتی محمد صدیق خان قادری

تعارف:

آپ کا نام محمد کنیت ابو بکر اور شیخ الاسلام لقب ہے-نسب نامہ کچھ یوں یہ ہے:

"محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ بن صالح بن بکر-آپ ماہ صفر 223ھ میں نیشا پور میں پیدا ہوئے"[1]-

مجشر بن مزاحم سے ولاء کا تعلق تھا-آپ نے علم و فن کی تحصیل اور حدیث و فقہ کی تکمیل کے لئے مختلف مقامات کے اسفار فرمائے-بچپن میں اپنے وطن کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا اس کے بعد بغداد، بصرہ، کوفہ، شام، حجاز، عراق، مصر اور واسط وغیرہ تشریف لے گئے-[2]

اساتذہ:

آپ نے جن نامور علماء و مشائخ سے اکتساب علم کیا ان میں سے چند مشہور یہ ہیں-محمود بن غیلان، محمد بن مہران، ابی سعید الاشج، محمد بن بشار، محمد بن مثنی، محمد بن اعلی صنعانی، محمد بن یحییٰ، نصر بن علی، محمد بن عبد اللہ مخزمی، یوسف بن موسیٰ، محمد بن رافع، ہارون بن اسحاق، آپ نے اسحاق بن راہویہ اور محمد بن حمید سے بھی حدیث کا سماع کیا مگر اس وقت کم سن تھے اس لئے احتیاط کی بنا پر ان بزرگوں سے حدیثیں نہیں بیان کرتے تھے[3]

تلامذہ:

جن حضرات کو آپ سے مستفید ہونے کا شرف ملا ان میں احمد بن مبارک مستملی، ابراہیم ابی طالب، ابو حامد بن شرقی، ابو علی حسین بن محمد نیشا پوری، ابو احمد بن عدی، ابو عمرو بن حمدان، اسحاق بن سعد نسوی، ابو بکر احمد بن مہران المقری، حسین بن علی تمیمی، ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن جعفر شیبانی، ابو الحسین احمد بن محمد البحیری، احمد بن محمد صندوقی، محمد بن احمد ابو بکر بن اسحاق صبغی؛ ابو سہل صعلوکی اور محمد بن بشر کرابیسی نے روایت کیا ہے-[4]

حدیث میں درجہ و مرتبہ:

امام ابن خزیمہ کا شمار اکابر محدثین اور نامور آئمہ فن میں ہوتا ہے-احادیث پر ان کی نظر نہایت وسیع اور گہری تھی وہ کم سنی میں ہی امام اور حافظ حدیث کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے-ایک دفعہ امام شافعی کے نامور شاگرد اور فقہ شافعی کے جامع و مدون امام مزنی سے ایک عراقی شخص نے دریافت کیا کہ جب قرآن مجید نے قتل کی صرف دو ہی صورتیں بیان کی ہیں-عمد و خطا تو آپ لوگ تیسری قسم شبہ عمد کو کس طرح مانتے ہیں؟ انہوں نے جواب میں ایک حدیث پاک پیش کی اس نے کہا کہ آپ علی بن زید بن جدعان کی روایت سے استدلال کرتے ہیں-یہ سن کر امام مزنی خاموش ہو گئے اور امام ابن خزیمہ نے جواب دیا کہ شبہ عمد کی روایتیں دوسرے طرق سے بھی مروی ہیں-عراقی نے کہا کہ وہ کس کے واسطہ سے مروی ہیں امام ابن خزیمہ نے فرمایا ایوب سختیانی اور خالد حزا سے اس نے ایک راوی عقبہ بن اویس کے متعلق شک و تردد کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک بصری شیخ ہیں اور ابن سیرین جیسے جلیل القدر بزرگ نے بھی ان سے روایت کی ہے-معترض نے امام مزنی سے عرض کیا کہ آپ مناظرہ کر رہے ہیں یا یہ صاحب (یعنی امام ابن خزیمہ)-انہوں نے

[1] (السیر اعلام النبلاء، جز:11، ص:225)

[2] (طبقات الشافعیہ الکبریٰ، جز:3، ص:110)

[3] (السیر اعلام النبلاء، جز:11، ص:226)

[4] (ایضاً)

فرمایا کہ یہ احادیث کے بارے میں مجھ سے زیادہ واقف کار ہیں اس لئے جب حدیثوں پر گفتگو ہوتی ہے تو میں خاموش رہتا ہوں اور یہ بحث و مناظرہ میں حصہ لیتے ہیں۔[5]

امام ابن خزیمہ مسائل و فتاوی کا جواب بھی احادیث کی روشنی میں دیتے تھے۔امیر اسماعیل بن احمد نے ایک مرتبہ مال فئے اور مالِ غنیمت کا فرق دریافت کیا تو انہوں نے سورہ انفال کی آیت پڑھنے کے بعد چند احادیث مبارکہ بیان کیں پھر سورۃ حشر کی آیت "ما افاء اللہ علی رسول---الخ" پڑھ کر احادیث سے مسئلہ کی وضاحت کی۔ابوزکریا یحیٰ بن محمد فرماتے ہیں کہ اس موقع پر انہوں نے تقریباً 170 احادیث مبارکہ بیان کی ہوں گی۔[6]

احادیث سے استنباط مسائل میں ان کو بڑا ملکہ حاصل تھا۔ ابن سریج کا بیان ہے کہ بڑی چھان بین اور محنت سے احادیث کے نکات و مطالب کا استخراج کرتے تھے۔[7]

حدیث کی نقل و درایت میں ان کے فضل و امتیاز کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے:

"وکان مبرزفی علم الحدیث"

"یعنی وہ علم حدیث میں وہ بہت ممتاز اور نہایت فاضل تھے"۔

انہوں نے سنن کی اشاعت و احیاء کا مقدس فرض بھی انجام دیا۔ایک مرتبہ ان کے ایک پڑوسی نے خواب دیکھا کہ وہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شبیہ مبارک صاف کر رہے ہیں معبرین نے بتایا کہ ابن خزیمہ احیاء سنت اور اشاعت حدیث کا کام انجام دیں گے۔

آئمہ کی آراء:

آپ کی علمی وجاہت کی وجہ سے آپ کے معاصرین علماء و مشائخ آپ کے علم و کمال کے معترف تھے۔آئمہ کرام نے آپ کی علمی انفرادیت کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔امام دار قطنی نے ان کو عدیم النظیر اور علامہ ذہبی نے فرید العصر اور حافظ ابن کثیر نے بحرا من بحور العلم لکھا ہے۔

امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں:

"ھو ثقۃ صدوق"[8] "یعنی وہ ثقہ اور صدوق ہیں"۔

ابو علی نیشاپوری فرماتے ہیں:

"لم ار احداً مثل ابن خزیمۃ"[9]

"میں نے ان سے زیادہ صاحب کمالات آدمی نہیں دیکھا"۔

آپ کے استاد ربیع بن سلیمان آپ کے علمی مقام و مرتبہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ امام ابن خزیمہ کو جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا جی ہاں! پھر فرمایا کہ:

"استفدنا منہ اکثر استفادمنا"[10]

"ابن خزیمہ نے ہم سے جتنا استفادہ کیا بنسبت اس کے ہم نے ان سے زیادہ استفادہ کیا"۔

امام ابن حبان آپ کی جامعیت و فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کان احد آئمۃ الدنیا علما و فقھا و حفظا"[11]

"آپ باعتبار علم و فقہ و حفظ کے دنیا کے اماموں میں سے ایک تھے"۔

حفظ وضبط:

امام ابن خزیمہ حفظ و ضبط کی دولت سے مالا مال تھے جب آپ سے حافظے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں جس چیز کو تحریر کرتا ہوں وہ مجھے زبانی یاد ہو جاتی ہے۔امام ابن حبان ان کے حفظ و ضبط کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ:

"ما رأیت علی وجہ الارض من یحسن صناعۃ السنن و یحفظ الفاظھا الصحاح و زیاداتھا حتی کان السنن کلھا نصب عیینہ الا ابن خزیمہ فقط"[12]

[5] (طبقات الفقہاء م جز:1، ص:106)
[6] (طبقات الشافعیہ الکبریٰ، جز:3، ص:118)
[7] (السیر اعلام النبلاء، جز:11، ص:230)
[8] (الجرح والتعدیل، جز:7، ص:196)
[9] (طبقات الحفاظ للسیوطی، جز:1، ص:313)
[10] (السیر اعلام النبلاء، جز:11، ص:229)
[11] (الثقات لابن حبان، جز:9، ص:156)
[12] (طبقات الحفاظ للسیوطی، جز:1، ص:314)

"یعنی میں روئے زمین پر احادیث و سنن کے صحیح الفاظ اور زیادات کی یادداشت رکھنے والا، ان کی مانند کوئی شخص نہیں دیکھا- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنن و احادیث کا تمام ذخیرہ ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے"-

ابو علی نیشاپوری فرماتے ہیں کہ:

"و کان یحفظ الفقھیات من حدیثہ کما یحفظ القاری السورۃ"[13]

"آپ کو حدیث کی فقہی جزئیات اس طرح یاد تھیں جس طرح قاری کو سورت یاد ہوتی ہے"-

ان خوبیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی مرجعیت اور شہرت عطا فرمائی تھی- امام الائمہ کا لقب ان کے نام کا جز بن گیا تھا- مقبولیت کا یہ حال تھا کہ ان سے استفادہ کرنے کے لئے علماء و طلبہ کا ہجوم لگا رہتا تھا- بڑے بڑے ارباب کمال دور دراز سے مشقتیں برداشت کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے- آپؒ کی مجلس میں مستفیدین کے قافلے ہر وقت خیمہ زن رہتے تھے-

فقہ و اجتہاد:

فقہ میں بھی ان کا درجہ نہایت بلند تھا، امام مزنی جیسے اساتذہ وقت سے اس کی تحصیل کی تھی لیکن فقہ کے عام مذاہب میں سے وہ کسی خاص مذہب سے وابستہ نہیں تھے بلکہ ان کا شمار مجتہدین مطلق میں ہوتا ہے- علامہ ابن سبکی نے ان کو المجتہد المطلق قرار دیا ہے- جبکہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"و ھو من المجتھدین فی دین الاسلام"

"وہ دین کے مجتہدین میں سے تھے"-

ابو زکریا یحیٰ بن محمد عنبری فرماتے ہیں کہ میں نے ابن خزیمہ سے سنا کہ رسول اللہ (ﷺ) کے صحیح فرمان کی موجودگی میں کسی شخص کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا-[14]

بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ خود صاحب مذہب اور مستقل امام فقہ کی حیثیت رکھتے تھے- جیسا کہ مندرجہ ذیل میں ابو بکر نقاش (رحمۃ اللہ علیہ) سے بیان کردہ روایت سے واضح ہوتا ہے-

"وحکی عنہ ابو بکر النقاش انہ قال ما قلدت احدًا فی مسألۃ منذ بلغت ست عشرۃ سنۃ"[15]

"ابو بکر نقاشؒ ان سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابن خزیمہ نے فرمایا کہ جب سے میری عمر سولہ (16) سال کی ہوئی تو میں نے مسائل میں کسی کی تقلید نہیں کی"-

آپ کے اس بیان سے عیاں ہو جاتا ہے کہ آپ ایک مستقل صاحب مذہب تھے- الغرض! آپ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے آپ مختلف علوم کے جامع اور مرتبہ کمال پر فائز تھے- نیشاپور میں جو کہ علم و فن کا مرکز تھا یکتائے روزگار تھے ان کی علمی شان سب سے بلند تھی؛ ان کے فتاوے تمام روئے زمین میں نقل ہوتے تھے- عقل و فطانت میں بے مثال تھے بحث و مناظرہ میں انہیں زیر نہیں کیا جا سکتا تھا- در حقیقت علم و فضل کا ایسا بحرِ بے کنار تھے جس سے تشنگانِ علوم سیراب ہوتے تھے- ان کے فیض کا یہ حال تھا کہ:

"کالبحر یقذف للقریب جواھرا کرما و یبعث للغریب صحائبا"[16]

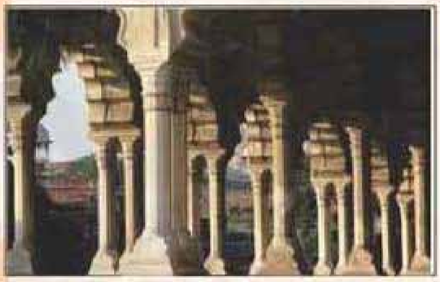

"یعنی ابن خزیمہ سمندر کی طرح اپنے قریب کے لوگوں کو موتی اور جواہرات سے مالا مال کرتے تھے اور دور والوں کے لئے بارانِ رحمت کی طرح سامان فیض کرتے تھے"-

زہد و تقویٰ:

امام ابن خزیمہ جہاں علم و فن کا منبع تھے، وہیں زہد و تقویٰ اور اتباعِ سنت میں بھی نمایاں مقام رکھتے تھے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی سنت کا لحاظ رکھتے تھے- ایک مرتبہ ان سے حمام میں بال منڈوانے کے لئے کہا گیا تو آپ نے فرمایا میرے نزدیک رسول اللہ (ﷺ) کا حمام میں داخل ہو کر بال منڈوانا ثابت نہیں ہے- ابو عمرو بن اسماعیل فرماتے ہیں کہ میں ابن خزیمہ کے درس میں شریک ہوتا تھا ایک دفعہ میرا داہنا ہاتھ روشنائی سے سیاہ ہو گیا تھا اس لئے میں نے ان کو بائیں ہاتھ سے قلم دینا چاہا تو انہوں نہ لیا پھر میرے رفقاء نے داہنے ہاتھ سے قلم دینے کے لئے کہا جب میں نے داہنے ہاتھ سے دیا تو انہوں نے لے لیا-[17]

[13] (السیر اعلام النبلاء، جز:11، ص:229)

[14] (طبقات الشافعین، جز:1، ص:222)

[15] (طبقات الفقہاء از ابو اسحاق ابراھیم بن علی الشیرازی، ص:106)

[16] (طبقات الشافعیہ الکبریٰ، جز:3، ص:110)

[17] (طبقات الشافعیہ الکبریٰ، جز:3، ص:111)

وہ صاحب کرامت بھی تھے لوگ ان کی ذات کو نہایت با برکت خیال کرتے تھے ابو عثمان زاہد کا بیان ہے کہ اللہ تعالی اہل نیشا پور کے مصائب و آلام ابن خزیمہ کی برکت سے دفع کرے گا۔[18]

آپ نے زندگی بڑی سادہ اور درویشانہ گزاری۔ آپ کی زندگی تکلف و آرائش سے بالکل پاک تھی ایک معمولی رقم میں گزر بسر کر لیتے تھے پہننے کے لئے ہمیشہ ایک ہی قمیض ہوتی تھی جب دوسری قمیص بنواتے تو پرانی کسی ضرورت مند کو دیتے تھے لوگ درخواست کرتے تو کچھ زیادہ کپڑے بنوا لیجئے فرماتے کہ مجھے اپنے نفس کے آرام وراحت کا کوئی خیال نہیں۔

آپ بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے ان کے پوتے محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ میرے دادا بخل سے نا آشنا تھے ان کا کل مال و دولت اہل علم اور ضرورت مندوں کے لئے وقف تھا۔ ایک دفعہ بڑی پُر تکلف دعوت کی مختلف قسم کے لذیز کھانوں اور پھلوں سے دستر خوان آراستہ تھا امراء داعیان کے ساتھ اہل علم اور فقہاء و محدثین مدعو تھے ہر شخص نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا لوگوں کا بیان ہے کہ ایسی شاندار دعوت اور اہتمام صرف سلطان ہی کر سکتا تھا ان کے زہد و تقوی اور اخلاقی اوصاف میں ایک وصف صاف گوئی بھی تھا۔ امراء و حکماء کے سامنے بھی حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے تھے۔ ایک دفعہ امیر اسماعیل بن احمد نے اپنے والد گرامی کے واسطہ سے ایک حدیث مبارکہ بیان کی جس کی سند میں ان کو وہم ہو گیا تھا امام ابن خزیمہ بھی وہاں موجود تھے انہوں نے فوراً اس کی تصحیح کی جب واپس ہوئے تو قاضی ابوذر نے بتایا کہ ہم لوگ 20 سال سے یہ غلط روایت سنتے تھے مگر تصحیح کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ ابن خزیمہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ (ﷺ) کی احادیث مبارکہ میں خطاء و تحریف جان کر خاموش رہنا گوارا نہیں کر سکتا[19]

تصنیفات اور وفات:

امام ابن خزیمہ نامور مصنف بھی تھے ان کی تصنیفات کی تعداد امام حاکم نے 140 سے زیادہ بتائی ہے ان کے علاوہ ان کے مسائل کا مجموعہ بھی سو جزوں کے بقدر تھا ابن کثیر کا بیان ہے ''کتب الکثیر وصنف وجمع'' یعنی بے شمار کتابیں تصنیف کیں۔ آپ تصنیف شروع کرنے سے پہلے استخارہ کرتے تھے اگر استخارہ نکل آتا تب تصنیف کی ابتدا کرتے تھے۔ آپؒ سے منسوب چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

1- **فقہ حدیث بریرہ:** یہ تین جزوں پر مشتمل ہے اس میں ایک حدیث کی فقاہت کے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

2- **کتاب التوحید والصفات:** یہ بڑی اہم اور مشہور کتاب ہے اور کئی اجزاء پر مشتمل ہے اس کا موضوع کلام و عقائد ہے۔ امام رازی اس کو کتاب الاشراک کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

3- **صحیح ابن خزیمہ:** یہ امام ابن خزیمہ کی سب سے مشہور کتاب ہے اس کتاب کا شمار حدیث کی اہم اور معتبر کتابوں میں ہوتا ہے۔ مستند مصنفین اور ثقہ علماء اس کی حدیثوں سے اخذ و استناد کرتے ہیں۔

کتب صحاح کے علاوہ جن محدثین نے اپنی کتابوں میں صحت کا زیادہ التزام کیا ہے ان میں امام ابن خزیمہ بھی ہیں۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں جن دیگر علماء نے صحاح کے مجموعے لکھے ان میں ابن خزیمہ کی صحیح بعض حیثیتوں سے زیادہ مشہور ہے اس کی اہمیت کا اندازہ ابن کثیر کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے۔

"من انفع لکتب واجلها"

''یعنی صحیح ابن خزیمہ نہایت مفید اور اہم کتابوں میں ہے''۔

علامہ سیوطی نے بخاری و مسلم کے بعد جن کتابوں کو زیادہ معتبر بنایا ہے ان میں کتب صحاح کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ کا پایہ صحیح ابن حبان سے زیادہ ہے کیونکہ ابن خزیمہ نے صحت کی جانب زیادہ توجہ کی ہے وہ ادنی شبہ پر بھی توقف سے کام لیتے ہیں چنانچہ اکثر ان صح الخبر وان ثبت وغیرہ قسم کے الفاظ لکھتے ہیں یہ صحت میں صحیح مسلم کے قریب قریب ہے۔ آپؒ نے 2 ذی القعدہ 311ھ کو وصال فرمایا[20] اور اپنے گھر کے ایک کمرہ میں دفن کیے گئے بعد میں پورا گھر مقبرہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

[18] (السیر اعلام النبلاء، جز:11، ص:228)

[19] (طبقات الشافعیہ الکبریٰ، جز:3، ص:111)

[20] (الثقات لابن حبان، جز:9، ص:156)

اسلامی مُعاشرت کی رُوح: رضائے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمنّا

فکری خطاب: صاحبزادہ سُلطان احمد علی

سیکرٹری جنرل: اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین

خانوادۂ سُلطان العارفین حضرت سُلطان باھُو قدس اللہ سرّہٗ

(میلادِ مُصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) و حق باھو کانفرنس، ہری پور، 20 جنوری 2017ء)

انسان کا معاشرتی اور قومی زندگی میں غور و فکر کا بنیادی مقصد اپنے اقوال و افعال اور گفتار و کردار کی اصلاح ہے- اصلاحی جماعت وعالمی تنظیم العارفین بھی اسی مشن و پیغام کو لے کر آگے بڑھ رہی ہے- اگر انسان اپنی انفرادی سوچ و فکر میں واضح نہ ہو تو اس کی اجتماعی فکر میں تشدد اور بھٹک جانے کا عُنصر بہت زیادہ غالب آجاتا ہے- جو انسان کی انفرادی تربیت ہے وہ انسان کی اجتماعی معاشرت کی بنیاد کی پہلی اینٹ ہوتی ہے- اگر وہ خشتِ اول ہی ٹیڑھی رکھ دی جائے اس کے اوپر جتنی عمارت تعمیر ہو گی وہ ساری کی ساری عمارت ٹیڑھے پن کے اوپر استوار ہو گی، مجھے اس پہ صائب تبریزی کا شعر یاد آرہا ہے:

> چو گذارد خشتِ اوّل بر زمیں معمار کج
> گر رساند بر فلک، باشد ہماں دیوار کج

”جب معمار زمین پہ پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دے تو چاہے دیوار کو آسمان تک بلند کر دیا جائے وہ ٹیڑھی رہے گی“-

لہٰذا فکر کی پہلی اینٹ کی فکر کرنی چاہئے، اس طرح ہماری روحانی زندگی جس کا تعلق ہماری شخصیت اور شخصی خیالات و تصورات سے ہے ان کی اصلاح بھی ہر وقت ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے-

خاص کر جس وقت ہم کوئی اجتماعی کام کرتے ہیں وہ بنیادی طور پر ہم اپنی ذاتی حیثیت میں کر رہے ہوتے ہیں اور اس میں اہم ترین چیز یہ ہوتی ہے کہ ہم وہ کام کس کی خوشنودی و رضا کے لئے کر رہے ہیں؟ اور اس کا مقصد کیا ہے؟ جہاں تک ایک مسلمان کی بات ہے وہ چاہے ایک سادہ لوح مسلمان ہی کیوں نہ ہو جو دن بھر کاشت کاری کرتا ہے، ریڑھی لگاتا ہے، اپنے کنبہ کا پیٹ پالنے کیلئے دن بھر کام و مشقت کرتا ہے اس کی بھی ہزاروں خواہشیں و تمنائیں ہو سکتی ہیں- لیکن ہر مسلمان وہ چاہے کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو اس کی ایک سادہ ترین سی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مجھے حالتِ ایمان پر موت نصیب ہو- جب مَیں وقتِ نزع کو پہنچوں تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رضا کو حاصل کر چکا ہوں اور میری زبان پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کا کلمہ ”لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ جاری ہو- اس لئے قرآن کریم ہمیں اس جانب دعوت دیتا ہے کہ:

”یَحْلِفُوْنَ بِاللہِ لَکُمْ لِیُرْضُوْکُمْ وَاللہُ وَ رَسُوْلُہٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ“[1]

”مسلمانو! (یہ منافقین) تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالاں کہ اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) زیادہ حقدار ہے کہ وہ اسے راضی کریں اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے“-

اپنی سماجی اور معاشرتی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ہماری جتنی بھی کاوشیں ہیں ان کا مطمعِ نظر یہ ہونا چاہیے کہ مَیں یہ کام اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رضا کیلئے کر رہا ہوں کیونکہ یہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ”اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر زیادہ حق رکھتے ہیں کہ تم اس کو راضی کرو“-

[1] (التوبہ:62)

اس میں سب سے زیادہ غور و فکر اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ "وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ" یہاں دو ہستیوں کا ذکر ہے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ)- "اَحَقُّ" تم پر زیادہ حق رکھتے ہیں؛ "اَنْ یُّرْضُوْهُ" کہ تم اس کی رضا حاصل کرو- تو عربی زبان میں "هٗ" ضمیر غائب ہے اور واحد کا صیغہ ہے- "هُمَا" اور "هُمْ" تثنیہ و جمع کے صیغے ہیں؛ "هُمَا" دو لوگوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور "هُمْ" دو سے زائد کے لئے- قرآن یہ فرماتا ہے کہ:

"وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ"

"اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ تم اس کی رضا کو حاصل کرو"-

اب چاہیے تو یہ تھا کہ جب اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) دو ہستیوں کی بات ہو رہی ہے تو یہاں پر "اَنْ یُّرْضُوْهُمَا" آتا کہ "تم ان دونوں کی الگ الگ رضا حاصل کرو"- یعنی اللہ کو الگ سے راضی کرو اور اس کے رسول (ﷺ) کو الگ سے- اللہ تعالیٰ نے ضمیر واحد "اَنْ یُّرْضُوْهُ" فرما کر یہ وضاحت فرما دی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی رضا الگ نہیں ہوتی بلکہ مصطفٰے کریم (ﷺ) کا راضی ہو جانا خدا کا راضی ہو جانا ہے اور خدا کا راضی ہو جانا مصطفٰے کریم (ﷺ) کا راضی ہو جانا ہے-

مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ"، "اگر وہ اہل ایمان ہوتے"-

یعنی اگر ان کے دل میں ایک رتی اور ذرہ برابر بھی ایمان کا نور ہوتا تو وہ جان جاتے کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی رضا ایک ہی رضا ہے- مثلاً جب آپ "Mr. A" کے آنے کا کہتے ہیں تو آپ کہیں گے کہ "Mr. A" آرہا ہے- اسی طرح آپ "Mr. B" کا کہتے ہیں کہ "Mr. B" آرہا ہے- اس لئے کہ وہ دونوں الگ الگ ہیں اور اس کے برعکس جب وہ دونوں اکٹھے ہو کر کسی مجلس میں آرہے ہوں تو آپ کہیں گے مسٹر A اور مسٹر B آرہے ہیں- اگر کوئی یہ کہے کہ مسٹر A اور مسٹر B آرہا ہے تو آپ کہیں گے یہ گرائمر اور لغت کے اعتبار سے غلط ہے؛ "آرہا ہے" کی بجائے "آرہے ہیں" ہو گا کیونکہ وہ دو ہیں-

مگر قرآن رضائے باری تعالیٰ اور رضائے رسول اللہ (ﷺ) کو دو الگ الگ رضائیں نہیں کہتا بلکہ ایک ہی رضا قرار دیتا ہے- اسی طرح اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت بھی ایک ہی ہے کیونکہ رسول (ﷺ) کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت ممکن نہیں ہے اور آقا کریم (ﷺ) کی رضا کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ممکن نہیں ہے- اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) یہ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ تم ان کی رضا کو حاصل کرو-

رسول اللہ (ﷺ) کی رضا کو طلب کرنا صرف بندے کا ہی عمل نہیں ہے بلکہ حضور نبی کریم (ﷺ) کو راضی کرنا سنّتِ الٰہی بھی ہے- کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"[2]

"(اے حبیب (ﷺ)!) اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے"-

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی، جس میں آپ (ﷺ) کو راضی کرنے کی بات ہوئی تو آقا کریم (ﷺ) نے اپنی رضا کو اپنی گناہگار امت کی بخشش کے ساتھ منسوب کیا:

"اِذَنْ وَاللّٰہِ لَا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ فِي النَّارِ"[3]

"میں تب تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت کا ایک کلمہ گو بھی دوزخ میں رہے گا"-

حضور نبی کریم (ﷺ) کو علم تھا کہ اِس اُمّت میں جہاں صالحین و ابرار لوگوں کی کمی نہیں ہو گی وہیں گناہگار اور خطا کار بھی ہونگے، تو اُمّت کے ابرار کے درجات تو اعلیٰ ہونگے لیکن امت کے خطا کاروں پہ سایۂ رحمت دراز کرتے ہوئے کریمی کی اور فرمایا کہ جب تک میرا ایک کلمہ گو بھی نارِ جہنم کا ایندھن ہے مَیں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا-

امام ابن عطیہ الاندلسی المحاربی (المتوفی: 542ھ) "تفسیر: المحرَرُ الوَجیز فی تفسیر الکتاب العزیز" اور امام قرطبی (المتوفی: 671ھ) "الجامع لاَحکام القرآن، تفسیر القرطبی" میں لکھتے ہیں کہ: "بعض (علماء) نے کہا ہے کہ کتاب اللہ میں سب سے امید افزاء آیت "وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" ہے-

[2](الضحیٰ:5)

[3](تفسیر الجلالین + تفسیر قرطبی، زیر آیت، الضحیٰ:5)

وَذٰلِكَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ (ﷺ) لَا يَرْضٰى بِبَقَاءِ أَحَدٍ مِّنْ أُمَّتِهٖ فِي النَّارِ

”اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) اپنی امت میں سے کسی ایک کے بھی جہنم میں رہنے پر راضی نہ ہوں گے“۔

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”أَشْفَعُ لِأُمَّتِي حَتّٰى يُنَادِيَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ. فَيَقُوْلُ: أَرَضِيْتَ يَا مُحَمَّدُ؟ فَأَقُوْلُ: نَعَمْ، رَضِيْتُ“

میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا یہاں تک کہ اللہ پاک ندا فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا: اے محمد (ﷺ)! کیا آپ (ﷺ) راضی ہو گئے؟ تو میں عرض کروں گا ہاں (یا اللہ عزوجل) میں راضی ہو گیا۔[4]

پہلے سجدے پہ روز ازل سے درود
یادگاریِ اُمت پر لاکھوں سلام
امتی امتی لب پہ جاری رہا
امتی تیری قسمت پہ لاکھوں سلام

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم حضور نبی کریم (ﷺ) کے کلمہ گو ہیں تو ہمیں یہ فخر و مسرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے آقا کریم (ﷺ) سے منسوب کیا ہے کہ ہم ابھی اس دنیا میں آئے ہی نہیں اور وہ اپنی رضا کو ہماری مغفرت سے منسوب فرما رہے ہیں۔ اس لئے جہاں آقا کریم (ﷺ) کی رضا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہے اور اللہ تعالیٰ اسی بات پر راضی ہے جس بات پر حضور نبی کریم (ﷺ) راضی ہیں۔

اسی طرح تمام فضیلتیں، برکتیں اور رحمتیں اسی جانب ہوتی ہیں جس جانب حضور نبی کریم (ﷺ) کی ذات اقدس اپنا رخِ انور پھیر لے۔ ناچیز کے نزدیک واقعہ ہجرت کا ایک پہلو بڑا ہی اہم ہے جب آقا کریم (ﷺ) نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ یہ بہت دلچسپ اور اہم موضوع ہے لیکن افسوس! ہمارے ہاں اس پر بہت کم بات ہوتی ہے۔ جب آقا کریم (ﷺ) ہجرت فرما کر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے جاتے ہیں تو

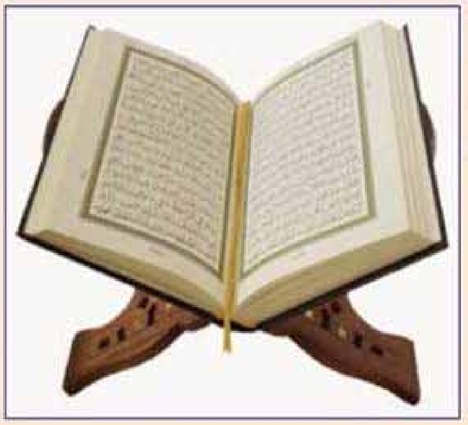

رب ذوالجلال کی بارگاہ میں مدینہ کی برکت کے لئے یہ دعا کرتے ہیں۔

”سیدنا انس ابن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے یہ دعا فرمائی:

”اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ“[5]

”اے اللہ! جتنی مکہ میں برکت عطا فرمائی ہے، مدینہ میں اس سے دگنی برکت عطا فرما“۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ہجرت سے قبل حضور نبی کریم (ﷺ) مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز تھے تو اللہ تعالیٰ کی ساری برکتیں مکہ معظمہ میں تھیں اور اب حضور نبی کریم (ﷺ) مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! اپنی ساری برکتیں، فضیلتیں شہر مدینہ پر نازل فرما اور اس شہر کو بھی دیارِ نور بنا دے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ کی فضیلت و برکت خود ربِ ذوالجلال نے قرآن مجید میں ارشاد فرمائی ہے:

”لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَأَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝“[6]

”میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں (اے حبیبِ مکرم!) اس لیے کہ آپ (ﷺ) اس شہر میں تشریف فرما ہیں“۔

یعنی یہ آقا کریم (ﷺ) کی ذاتِ اقدس کا تقدس ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کے لئے شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں۔ کیونکہ شہر مکہ کا نور آپ (ﷺ) کے نور مبارک سے ہے۔ شہر مکہ کی فضیلت و برکت حضور نبی کریم (ﷺ) کی فضیلت و برکت سے ہے۔

آپ اندازہ لگائیں! آقا کریم (ﷺ) جس شہر میں جلوہ فرما ہوں جس شہر کو اپنی ہجرت کے لئے پسند فرمائیں اس شہر سے آقا کریم (ﷺ) کی محبت کا عالم کیا ہوگا؟ لیکن افسوس! اسلامیان عالم اور پوری دنیا میں بسنے والے مسلمان قابلِ شکوہ ہیں کیونکہ مدینہ منورہ وہ شہر مقدس ہے کہ اُس شہر کے باسیوں کے متعلق اور اس شہر کی حرمت و تقدس کے متعلق آقا کریم (ﷺ) کے واضح احکامات ہوتے ہوئے بھی شہر مدینہ میں دہشت گردی کی بدترین جسارت ہوتی ہے اور اُمت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ یہ

[4](المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحدیث: 2062)

[5](صحیح بخاری، کتاب فضائل المدینۃ)

[6](البلد: 1-3)

امت اپنے سینہ پر کوئی اضطراب، کوئی بے چینی اور کوئی غم تک محسوس ہی نہیں کرتی-مثلاً گزشتہ رمضان المبارک کے آواخر میں حرمِ نبوی (ﷺ) میں دہشت گردی کی بدترین کاروائی کی گئی- جہاں وہ کاروائی اہل مذمت و قابل ہزار ہاافسوس تھی وہیں اس سے بھی بڑھ کر اِس اُمت کی پُر اسرار خاموشی قابل افسوس تھی- حالانکہ جس نے بھی مدینہ میں کوئی فتنہ کا کام کیا، کوئی ظلم کیا، کسی مجرم کو پناہ دی، یہاں تک کہ جس نے بُرا کرنے کا ارادہ بھی کیا تو آقا کریم (ﷺ) نے ان سب پر عذاب کی وعید سنائی ہے-لیکن افسوس اِس اُمت کی ناقابلِ فہم خاموشی پہ!

اُم المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) روایت فرماتی ہیں کہ آقا کریم (ﷺ) نے بار گاہِ رب العزت میں دُعا کی:

"اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ کَمَا حَبَّبْتَ مَکَّۃَ اَوْ اَشَدَّ وَصَحِّحْھَا"[7]

"اے اللہ! جس طرح تو نے ہمارے نزدیک مکہ کو محبوب کیا ہے مدینہ کو بھی اسی طرح محبوب کر دے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب کر دے اور مدینہ کو صحت کی جگہ بنادے"-

آقا کریم (ﷺ) کے اس دعا فرمانے میں ہمارے لئے غور وفکر اور مقصد کی بات یہ ہے کہ جس جانب آقا کریم (ﷺ) کی ذات اقدس کا رخِ انور ہو جائے تو اللہ پاک کی تمام برکتیں اور رحمتیں بھی اسی جانب ہو جاتی ہیں-مثلاً ان شہروں کی عظمت و فضیلت کے متعلق محدثین نے ایک بہت لطیف بحث کی ہے-

امام شہاب الدین الخفاجی نے "نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض" میں اس بحث کو لیا جو لوگوں میں فضائل مکہ اور فضائل مدینہ کو لے کر ہوتی ہے-لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ فضیلت و عظمت مکہ کی ہے یا مدینہ کی؟ امام خفاجیؒ فرماتے ہیں کہ شہروں کی مٹی اور عمارات کی، ان کے مقدس مقامات کی، ان میں مدفون انبیاء کرام (علیہم السلام) کی نشانیوں اور آثار کی فضیلت اپنی جگہ لیکن میرے نزدیک فضیلت حضور نبی کریم (ﷺ) کے وجودِ اقدس کی ہے کیونکہ جب حضور نبی کریم (ﷺ) مکہ میں ہیں تو مکہ افضل ہے اور جب آپ (ﷺ) مدینہ میں جلوہ افروز ہیں تو مدینہ افضل ہے-کیونکہ جس مقام پر حضور نبی کریم (ﷺ) کا وجودِ اقدس موجود ہو اس مقام کو اللہ تعالیٰ تمام رحمتوں اور برکتوں کا مرکز قرار دیتا ہے- تبھی تو سیّدی و شیخی اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں:

نعمتیں بانٹا "جس سمت" وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیٔ رحمت کا قلمدان گیا

اسی طرح جب حضور نبی کریم (ﷺ) کا چہرہ انور مسجدِ اقصیٰ کی طرف تھا تو ہمارا قبلہ بیت المقدس تھا اور جب آپ (ﷺ) کا رخِ انور مسجد الحرام کی جانب ہوتا ہے تو ہمارا قبلہ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ بن جاتا ہے-اس لئے کہ تبدیلیٔ قبلہ میں بھی بنیادی طور پر رضائے مصطفےٰ کریم (ﷺ) کا تعلق ہے- جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے "سورۃ البقرہ" میں اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ[8]

"(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا رخ ابھی مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجیے"-

امام طبری "تفسیر طبری" میں اسی آیت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت سدی نے فرمایا کہ مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، جب نبی اکرم (ﷺ) کی ہجرت کو اٹھارہ ماہ (یعنی ڈیڑھ سال) کا وقت گزرا تو آپ نماز پڑھتے ہوئے بار بار آسمان کی طرف دیکھنے لگے کہ کیا حکم آتا ہے- آپ اس وقت بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، کعبہ نے اس قبلہ کو منسوخ کر دیا"

فَكَانَ النَّبِيُّ (ﷺ) يُحِبُّ أَنْ يُّصَلِّيَ قِبَلَ الْكَعْبَةِ، فَأَنْزَلَ اللهُ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ اَلْاٰيَةَ

"پس نبی اکرم (ﷺ) نے چاہا کہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں تو اللہ عزوجل نے یہ "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ" آیت نازل فرما دی"-

[7] (صحیح مسلم، کتاب الحج)

[8] (البقرۃ:144)

قابل غور بات یہ ہے کہ ابھی آپ (ﷺ) نے اپنی زبانِ اقدس سے اس بات کا اظہار نہیں فرمایا یہ صرف ابھی ارادہ تھا کہ اللہ پاک نے اس آیت کو نازل فرمادیا-

آقا کریم (ﷺ) کے چہرۂ انور کا بار بار آسمان کی جانب اٹھنا اس لیے ہے کہ اے میرے رب! میں تو تیرا محبوب ہوں، تیری طرف سے بھیجا گیا نبی اور رسول ہوں، میری امت کو تو نے یہ شرف عطا کر رکھا ہے جیسا کہ تو حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ"[9]

"اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا ایسا قرب حاصل کر لیتا ہے کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں پھر جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور بہ ضرور عطا کرتا ہوں"-

اس لئے سوال پر عطا کرنا سوال چاہے خفیہ طریقے سے مانگا جائے یا زبان سے مانگ کر کیا جائے- اے میرے رب! تو دلوں کے حال جانتا ہے اور تو نے میری امت کو یہ شرف عطا کر دیا کہ جب میرا امتی تجھ سے کچھ مانگے گا تو عطا کرے گا؛ اور بار بار میرے دل میں یہ دلیل ہے کہ تو عطا فرما اور اپنے حکم کے ذریعے جبرائیل کو نازل فرما کہ میں مسجد اقصیٰ کی بجائے مسجد حرام کی جانب اپنی روئے زیبا کو پھیر لوں کیونکہ یا اللہ تیرا وعدہ ہے کہ "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" "(اے حبیب (ﷺ)! اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے"- یا اللہ! پھر عطا فرما کہ میں مسجد اقصیٰ کی جانب اپنا رخ پھیر لوں- اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا"،

"سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے"-

اس لئے جو قبلہ کی تبدیلی ہے وہ از روئے قرآن 'فَتَرْضٰى' آپ (ﷺ) کو راضی کرنے کے لئے تھی- "فَلَنُوَلِّيَنَّكَ" میں جو "ن" ہے یہ تاکید ثقیلہ کی ہے کہ "ضرور بہ ضرور" جس طریقے سے آپ کہیں گے- گویا یہ امکان ہی نہیں ہے کہ آپ (ﷺ) کی بات کو رد کر دیا جائے- کیونکہ اے میرے محبوب (ﷺ)! ہماری رضا آپ (ﷺ) کو راضی کرنا ہے- اگر آپ (ﷺ) مسجد اقصیٰ پر راضی ہیں تو مسجد اقصیٰ بیت اللہ رہے گا اگر آپ مسجد حرام پر راضی ہیں تو مسجد حرام بیت اللہ ہو گا- پھر مزید فرمایا کہ "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" "اے حبیب (ﷺ) اگر آپ اس پر راضی ہیں تو اپنے چہرہ انور کو مسجد الحرام کی طرف پھیر لیجئے"- جب آقا کریم (ﷺ) نے اپنے چہرہ انور کو مسجد الحرام کی طرف پھیر لیا تو فرمایا کہ:

"وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ"[10]

"اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو پس اپنے چہرے اسی کی طرف پھیر لو"-

یعنی جس جانب میرے حبیب (ﷺ) نے اپنے چہرہ انور کو پھیر لیا ہے اے مسلمانو! تم بھی اپنے چہروں کو اسی جانب پھیر لو اس لئے کہ میں نے حبیب کو راضی کر دیا ہے اب تم بھی اپنے حبیب (ﷺ) کو راضی کر دو-

بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف مسلمانانِ عالم اور اہل ایمان کا مرکزِ عبادت ہونا اس کا مقصد از روئے قرآن "تَرْضٰهَا" حضور نبی کریم (ﷺ) کی رضا ہے- کیونکہ حدیثِ قُدسی میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ:

"لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ"

"اگر آپ نہ ہوتے تو افلاک کو پیدا نہ کرتا"-

"لَوْلَاكَ لَمَا أَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِيَّةَ"

"اے حبیب مکرم (ﷺ) اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنا رب ہونا بھی ظاہر نہ فرماتا"-

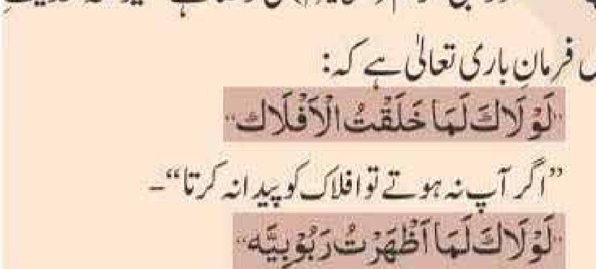

---

[9] (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

[10] (البقرۃ:144)

اگر آپ قبلہ کی تبدیلی پر راضی ہوں گے تو ہم اس قبلہ کو تبدیل کر دیں گے کیونکہ اے محبوب (ﷺ) جب یہ کائنات ہم نے بنائی ہی آپ (ﷺ) کے لیے ہے تو قبلہ بھی آپ (ﷺ) کی رضا پر بنایا جائے گا-

کائنات کی تمام رونقیں و گہما گہمیاں، زندگی کی تپش و حرارت، رمق و دمق، رونق و چمک، کلیوں کی چٹک، پھولوں کی مہک یہ سب آقا کریم (ﷺ) کے قدموں کے طفیل ہیں-اس لئے کائنات کے ہر عمل کی، ہر خیر و نیکی کی، مسلمان کی ہر عبادت و ذکر کی اور ہر کاوش و جہد کی مقصدیت یہ ہونی چاہیے کہ میں اس سے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی رضا کو حاصل کر لوں کیونکہ آقا کریم (ﷺ) کو راضی کرنا سنتِ الٰہی ہے-

انہی آیات کے ضمن میں جو تبدیلی قبلہ کی جانب وارد ہوئیں اس پر علمائے اسلام، مفسرین و محدثین اور خاص کر عرفاء نے جو لطیف و باریک تفاسیر فرمائی ہیں کہ آدمی دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ آقا کریم (ﷺ) سے ہماری نسبت و محبت کی بنیاد کیا ہونی چاہیے-مثلاً ابو القاسم قشیری (رحمۃ اللہ علیہ) جن کا رسالہ "قشریہ" ادب عربی اور ادبِ تصوف میں ایک عظیم ترین مقام رکھتا ہے-ہر عہد کے علماء و فقہاء، عرفاء اور اولیاء نے اس سے استفادہ کیا ہے؛ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"آقا کریم (ﷺ) آداب کا خیال رکھتے ہوئے زبانی سوال سے خاموش رہے اور قبلہ کے معاملہ کی دل سے تمنا کی-آسمان کی طرف اس لئے دیکھا کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے اترنے کا راستہ تھا-

پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ" نازل فرما کر بتایا کہ ہم تمہارے اس سوال کو جانتے ہیں جو آپ (ﷺ) کی زبان مبارک پر نہیں آیا:

"فَلَقَدْ غَيَّرْنَا الْقِبْلَةَ لِأَجْلِكَ، وَهٰذِهٖ غَايَةُ مَا يَفْعَلُ الْحَبِيْبُ لِأَجْلِ الْحَبِيْبِ كُلُّ الْعَبِيْدِ يَجْتَهِدُوْنَ فِيْ طَلَبِ رِضَائِيْ وَأَنَا أَطْلُبُ رِضَاكَ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا"[11]

"پس ہم نے صرف آپ کے لئے قبلہ کو تبدیل فرمادیا ہے، یہ اس کام کی انتہاء ہے جو ایک حبیب، اپنے حبیب کے لئے کرتا ہے-ہر بندہ میری رضا کی طلب میں جدوجہد کرتا ہے اور میں تیری رضا چاہتا ہوں پس ہم نے تجھے اسی قبلہ کی طرف پھیر دیا ہے جو تمہیں پسند ہے"-

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

یعنی یہ آقا کریم (ﷺ) کی رضا کا وہ امتیاز ہے جس کو علمائے کرام فرماتے ہیں کہ نہ صرف یہ سنتِ الٰہی ہے بلکہ آقا کریم (ﷺ) کی رضا از روئے قرآن اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہی رضا ہے کہ جس پر آقا کریم (ﷺ) راضی ہو گئے تو سمجھ لو کہ اس پر اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو گیا-

مزید اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

"وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا"[12]

"اور ہر ایک کے لیے توجہ کی ایک سمت (مقرر) ہے"-

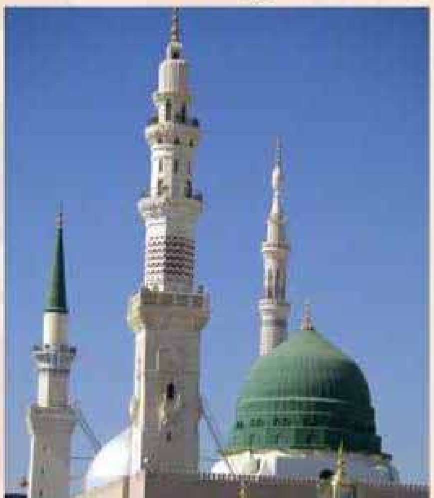

اس آیت کی تفسیر میں مفتی بغداد ابو الفضل علامہ محمود احمد آلوسی (رحمۃ اللہ علیہ) حضور نبی کریم (ﷺ) کی شان و نسبت کو بیان فرماتے ہوئے ایک بہت لطیف بات فرماتے ہیں کہ:

"اَلْمُرَادُ بِهَا أَنَّ لِكُلِّ أَحَدٍ قِبْلَةً فَقِبْلَةُ الْمُقَرَّبِيْنَ الْعَرْشُ وَ الرُّوْحَانِيِّيْنَ الْكُرْسِيُّ وَالْكُرُوْبِيِّيْنَ الْبَيْتُ الْمَعْمُوْرِ وَالْأَنْبِيَاءِ قَبْلَكَ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ وَقِبْلَتُكَ الْكَعْبَةُ وَهِيَ قِبْلَةُ جَسَدِكَ وَأَمَّا قِبْلَةُ رُوْحِكَ فَأَنَا وَقِبْلَتِيْ أَنْتَ"[13]

"اس سے مراد یہ ہے کہ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی قبلہ ہے پس مقربین کا قبلہ عرش ہے اور روحانیین کا قبلہ کرسی ہے اور کروبیین کا قبلہ بیت العمور ہے اور آپ (ﷺ) سے پہلے انبیاء کرام (علیہم السلام) کا قبلہ بیت المقدس ہے اور آپ (ﷺ) کا قبلہ کعبہ ہے اور وہ (کعبہ) آپ (ﷺ) کے جسم اطہر کا قبلہ ہے اور آپ (ﷺ) کے روح انور کا قبلہ میری ذات ہے اور میرا قبلہ آپ (ﷺ) کی ذات گرامی ہے"-

[11] (لطائف الاشارات: المعروف تفسیر القشیری)

[12] (البقرۃ:148)

[13] (تفسیر روح المعانی، زیر آیت البقرۃ:148)

یعنی کائنات کی ہر چیز کا ایک قبلہ ہے جس کی جانب وہ متوجہ ہوتے ہیں لیکن جب اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی سمت و قبلہ کی بات کی جائے تو وہ دونوں ایک دوسرے میں ہیں۔یعنی حضور نبی کریم (ﷺ) کے جسدِ مبارک کی توجہ کا مرکز خانہ کعبہ ہے اور آپ (ﷺ) کی روح انور کی توجہ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار و تجلیات ہیں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات حضور نبی کریم (ﷺ) کی ذات اقدس کی جانب متوجہ ہے۔

مزید حضور نبی کریم (ﷺ) کی شان و عظمت کا بیان قرآن مجید کے اس واقعہ سے بھی ملتا ہے جہاں پر حضور نبی کریم (ﷺ) کی حفاظت کا ذکر ہے۔یعنی ہر ایک اپنے مال و جان کی حفاظت کے لئے محافظ تعینات کرتا ہے لیکن اللہ پاک فرماتا ہے اے محبوب کریم (ﷺ)! آپ (ﷺ) کو مخالفین سے حفاظت کے لئے کسی مادی سبب کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ (ﷺ) کی حفاظت ہم خود فرمانے والے ہیں جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ"[14]

"اور اللہ (مخالف) لوگوں سے آپ (کی جان) کی (خود) حفاظت فرمائے گا"۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر لمحہ و لحظہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی جانب متوجہ ہے۔اس لئے جب یہ فیصلہ ہو گیا کہ آقا کریم (ﷺ) کو تمام قبائل کے منتخب شدہ نوجوانوں کا ایک لشکر شہید کر دے گا (معاذ اللہ) اور شبِ ہجرت آقا کریم (ﷺ) کے گھر مبارک کا محاصرہ کر لیا گیا تو فرمایا کہ حبیب مکرم (ﷺ) ان آیات کی تلاوت فرماتے جائیے اور کنکریاں اٹھا کر ان پر پھینک دیجیے ان کی بینائی ضبط کر لی جائے گی۔کیونکہ بینائی عطا کرنے والا ان کی بینائی کو مفقود کر دے گا۔

اسی طرح غارِ ثور کا واقعہ دیکھیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) حضور نبی کریم (ﷺ) کے ساتھ غارِ ثور میں ہوتے ہیں تو دشمن غارِ ثور تک پہنچ آتا ہے لیکن پروردگار کے حکم سے مکڑی جالا بُن دیتی ہے اور فاختہ اپنے انڈے دے دیتی ہے۔پھر جب کفار اپنے جاسوس لے کر محاصرہ میں پہنچ جاتے ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) آپ (ﷺ) کی حفاظت کے لئے پریشان ہوتے ہیں تو آپ (ﷺ) فرماتے ہیں کہ:

"لَا تَحْزَنْ" پریشان نہ ہوئیے۔

حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! دشمن سر پر تلواریں اور نیزے تانے کھڑے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ (ﷺ) کو دیکھتے ہی شہید کر دیا جائے گا۔آقا کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ پریشان نہ ہو ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حضور نبی کریم (ﷺ) سے یہ وعدہ ہے کہ آپ (ﷺ) کی حفاظت آپ (ﷺ) کا رب فرمائے گا۔

آپ پورے قرآن کی تشریح دیکھ لیں، آقا کریم (ﷺ) سجدہ فرماتے ہیں، قیام فرماتے ہیں، کفار کی جانب کنکریاں پھینکتے ہیں، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے بیعت لیتے ہیں یعنی آقا کریم (ﷺ) جو قول و فعل فرماتے ہیں اس کا حکم آقا کریم (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ جبرائیل علیہ السلام کیا جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آقا کریم (ﷺ) کے ہر قول و فعل اور آپ (ﷺ) کی مجلس میں ہونے والی ہر ایک بات پر اللہ تعالیٰ کی توجہ ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب (ﷺ) ہر کوئی اپنی اپنی سمت متوجہ ہے لیکن ہم آپ (ﷺ) کی جانب متوجہ رہتے ہیں۔

جس طرح آقا کریم (ﷺ) کی ذات کی جانب اپنے دل اور اپنی سوچ و فکر مائل کئے رکھنا یہ سنت الٰہی ہے۔اسی طرح آقا کریم (ﷺ) کی ذات اقدس پر درود بھیجنا بھی سنت الٰہی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا"[15]

"بے شک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبیِّ (مکرمّ ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو"۔

اس لئے کائنات کی کل برکات، رحمتوں اور خیر کثیر کا مرکز آقا کریم (ﷺ) کی ذات اقدس ہے۔اسی طرح جن چیزوں کی

[14](المائدہ:67) [15](الاحزاب:56)

نسبت آقا کریم (ﷺ) سے ہو جائے وہ چیز عمومیت سے خصوصیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

امام مسلم (رحمۃ اللہ علیہ) "صحیح مسلم" میں حدیث پاک نقل کرتے ہیں جس میں حضرت عابس بن ربیعہ (رضی اللہ عنہ) روایت فرماتے ہیں کہ:

رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ، وَيَقُولُ: إِنِّي لَأُقَبِّلُكَ وَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ (ﷺ) يُقَبِّلُكَ لَمْ أُقَبِّلْكَ۔[16]

"میں نے حضرت عمر (بن خطاب) (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں بے شک میں تجھے بوسہ دے رہا ہوں حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اور اگر میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے (کبھی) بوسہ نہ دیتا"۔

جس پتھر کی نسبت آقا کریم (ﷺ) سے ہو جائے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے نزدیک وہ پتھر عزیز ہو جاتا ہے۔

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى (ﷺ) طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ فَقَالَ: هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ

"جب رسول اللہ ﷺ کو جبلِ اُحد دکھائی دیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں"۔

جب کبھی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) آقا کریم (ﷺ) کی یاد میں اداس ہو جاتے تو آقا کریم (ﷺ) کے تبرکات کی زیارت کے لئے چلے جاتے۔ اُحد پہاڑ کی زیارت کے لئے چل نکلتے کیونکہ آقا کریم (ﷺ) نے اس پہاڑ سے محبت فرمائی ہے ورنہ ہے تو وہ پہاڑ ہی۔ دنیا میں جتنے بھی پہاڑ ہیں ہر پہاڑ کی زیارت ضروری نہیں اس لیے کہ ہر پہاڑ کی نسبت کے بارے میں حضور نبی کریم (ﷺ) نے ایسا نہیں فرمایا جیسا اُحد پہاڑ کے بارے میں فرمایا ہے۔

اسی طرح وہ زمانہ جو آقا کریم (ﷺ) سے منسوب ہو گیا وہ مقدس ہو گیا جیسا کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ"[17]

"لوگوں میں سے بہترین زمانہ میرا ہے، پھر اس کے بعد کے لوگوں کا، پھر اس کے بعد کے لوگوں کا"۔

یعنی ہر وہ زمانہ چاہے وہ آپ (ﷺ) کے زمانے سے قبل ہو یا بعید ہو ان میں سب سے افضل زمانہ وہ ہے جس میں حضور نبی کریم (ﷺ) کو مبعوث فرمایا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد صحابہ کا پھر تابعین کا پھر تبع تابعین کا۔

صوفیاء کرام میں یہ طریق بطور خاص رہا ہے کہ وہ اپنی زیادہ تر باسی روٹیوں کو تناول کرتے تھے۔ یعنی گھر والوں سے ہمسائیوں سے پوچھتے ہوتے کہ کیا کل کی روٹی پڑی ہے؟ جب لوگ اس کی وجہ پوچھتے تو کہتے کہ آج کا دن اور دو دن پہلے جو گزرے ہیں وہ آقا کریم (ﷺ) کے زمانے سے زیادہ قریب ہیں۔ اس لئے دو دن پہلے کی روٹی کی فضیلت آج کے دن کی روٹی سے زیادہ ہے۔

اسی طرح صحابی کا کیا مقام ہے؟ صحابی ہونے کیلئے کثرت عبادت افضل ہے لیکن شرط نہیں ہے۔ جس نے کوئی عبادت نہیں کی، پوری زندگی قتل و غارت اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنے اور بتوں کو پوجتے ہوئے گزار دی۔ لیکن اپنی موت سے چند لمحے پہلے وہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی رسالت اور نبوت کی گواہی دینا چاہتا ہوں اور آقا کریم (ﷺ) کے دستِ اقدس پر کلمہ پڑھ کر عہدِ اسلام کر کے حالتِ ایمان میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی زیارت کر لی اور فوراً شہید / فوت ہو گیا۔ تو دنیا بھر کے اولیاء اور صاحبانِ زُہد و تقویٰ کے مقام اکٹھے کر لیے جائیں مگر

[16](صحیح مسلم، کتاب الحج)

[17](صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

وہ میرے آقا (ﷺ) کے صحابی کے رُتبے کو نہیں پہنچ سکتے- زندگی بھر کی عبادت و ریاضت ایک طرف اور زندگی میں حالتِ ایمان میں آقا کریم (ﷺ) کو ایک نظر دیکھنا دنیا جہان کی تمام عبادات سے افضل ہے- کیونکہ اس نظر کو آقا کریم (ﷺ) کی زیارت و نسبت نصیب ہو گئی ہے-

حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ، فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِيْفَهٗ"[18]

"میرے کسی صحابی کو بُرا نہ کہو- اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کر دے، ان کے ایک مٹھی یا اس کے نصف تک بھی نہیں پہنچ سکتا"-

لوگوں نے عمر بھر کی کمائی راہِ خدا میں خرچ کر دی لیکن وہ اجسام و روحیں جو آقا کریم (ﷺ) سے منسوب ہو گئیں ان سے مقدم اور مقدس کوئی اُمتی نہیں ہو سکتا- آقا کریم (ﷺ) اہل بیت کی توقیر بھی اس لئے ہے کہ وہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے ساتھ منسوب ہیں- اس لئے اللہ پاک فرماتا ہے کہ:

"قُلْ لَّا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى"[19]

" اے حبیب (ﷺ)! فرما دیجیے: میں اِس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر (میری) قرابت (اور اللہ کی قربت) سے محبت (چاہتا ہوں)"-

اے حبیب (ﷺ)! اپنے امتیوں کو بتا دیجئے کہ میں نے جو تمہیں دولتِ ایمان اور کامیابی دی ہے اس پر میں تم سے کوئی اُجرت طلب نہیں کرتا- مگر میں اپنے اہل بیت کی محبت تم سے مانگتا ہوں اس لئے کہ وہ اہل بیت آقا کریم (ﷺ) سے منسوب ہیں- اس لئے ابو المعانی میرزا عبد القادر بیدل دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

اگر نظارۂ گل می تواں کرد
وطن در چشم بلبل می تواں کرد

"اگر پھول کا نظارہ کرنے کے لائق ہو گئے ہو تو بلبل کی آنکھ میں گھر کرنے کے بھی لائق ہو جاؤ گے"-

یعنی اگر پھول کا نظارہ کرنا ہو تو بلبل کی آنکھ سے کرو چمکادر، چیل اور کوے کی آنکھ میں بیٹھ کر تمہیں پھول کا حسن کبھی نظر نہیں آئے گا- اسی طرح اگر آقا کریم (ﷺ) کی ذات اقدس کو دیکھنا چاہتے ہو تو قرآن کی آنکھ میں بسیرا کرو تاکہ تمہیں اندازہ ہو سکے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی شان و عظمت اور رضا کیا ہے؟ آقا کریم (ﷺ) پر درود پڑھنا کیسا ہے؟ آقا کریم (ﷺ) کے نام پر اپنے آپ کو منسوب کر دینا کیسا ہے؟

اسی طرح وہ گھر جو آقا کریم (ﷺ) کی ذات اقدس سے منسوب ہو جائے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتا ہے- حضرت عبد اللہ بن زید المازنی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ:

"أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ (ﷺ) قَالَ: مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ"

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے گھر اور میرے منبر کا درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے"-

یعنی حضور نبی کریم (ﷺ) کا گھر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور حضور نبی کریم (ﷺ) کا منبر مبارک آپ (ﷺ) کے حوضِ کوثر پر قائم کیا گیا ہے- وہ گھر اور منبر جو آقا کریم (ﷺ) سے منسوب ہو جائے وہ عام نہیں ہے-

اسی طرح جس مسجد میں حضور قیام فرمائیں اللہ تعالیٰ اس کی فضیلت کو بڑھا دیتا ہے- حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) نے فرمایا:

"صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ"[20]

"میری اس مسجد میں نماز ادا کرنا دوسری مسجدوں میں ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجد الحرام کے"-

اسی طرح جو فعل بھی آقا کریم (ﷺ) کی ذات اقدس سے نسبت حاصل کر لے وہ فعل صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے لئے فعل خیر بن جاتا ہے- جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

[18](سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ)
[19](الشوریٰ:23)
[20](صحیح مسلم، کتاب الحج)

"شَيْءٌ صَنَعَهُ النَّبِيُّ (ﷺ) فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَتْرُكَهُ."[21]

"جس چیز کو نبی اکرم (ﷺ) نے کیا ہو تاہم اسے چھوڑنا پسند نہ کرتے"۔

اسی طرح جو آقا کریم (ﷺ) کو خوش کرے وہ خوشی عام خوشی نہیں ہے، جو نعوذ باللہ آقا کریم (ﷺ) کو ناراض کرے وہ ناراضگی عام ناراضگی نہیں ہے، جو بے ادبی کرے وہ بے ادبی عام بے ادبی نہیں ہے۔ جو آقا کریم (ﷺ) کی بارگاہ میں اونچی آواز نکالے اس کے لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ"[22]

"اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبیِ مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہو جائیں اور تمہیں (ایمان اور اعمال کے برباد ہو جانے کا) شعور تک بھی نہ ہو"۔

حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کا فتویٰ اس پر موجود ہے کہ طائف سے کچھ لوگ آئے اور اونچی آواز سے بات کرنے لگے۔ سیدنا عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا کہ کہاں سے ہو؟ جواب ملا طائف سے ہیں۔ آپ (رضی اللہ عنہ) فرمایا کہ اگر تم مدینہ سے ہوتے تو میں تمہیں مار مار کر سزا دیتا اس لئے کہ مسجد نبوی (ﷺ) کا ادب آج بھی اسی طرح لازم ہے کہ جس طرح حضور نبی کریم (ﷺ) کے وصال فرمانے سے پہلے تھا۔ اس لئے حضور نبی کریم (ﷺ) کی بارگاہ میں اپنی آوازوں کو پست رکھو۔ جنہوں نے اپنی آوازوں کو پست کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری یہ دی کہ ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے تقویٰ کے لئے خالص کر لیا ہے اور جنہوں نے اپنی آوازوں کو پست نہ کیا اور آپ (ﷺ) کو حجروں کے باہر سے آوازیں لگاتے رہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو بے عقل لوگ ہیں ان کو معلوم ہی نہیں ہے کہ میرے محبوب (ﷺ) کی بارگاہ کونسی بارگاہ ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

"آسمان کے نیچے ایک ایسی ادب گاہ (روضۂ رسول (ﷺ)) ہے جو عرش سے بھی زیادہ نازک ہے کہ یہاں حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایزید بسطامی (رحمۃ اللہ علیہ) جیسی عظیم ہستیاں بھی سانس روک کر آتی ہیں"۔

اب ایک انتہائی اور لطیف نکتہ کی جانب آپ کی توجہ مرکوز کروانا چاہوں گا کس حد تک اللہ رب العزت کی ذات اقدس حضور نبی کریم (ﷺ) کی جانب متوجہ رہتی ہے۔ یعنی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) حضور نبی کریم (ﷺ) سے شرفِ باریابی چاہتے تو حضور نبی کریم (ﷺ) کے حجرہ مبارک میں بیٹھ جاتے۔ آقا کریم (ﷺ) طعام طلب فرماتے اور صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر تناول فرماتے۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اس شوق و محبت سے آقا کریم (ﷺ) کی بارگاہ میں بیٹھے رہتے کہ جتنے لمحے بھی حضور نبی کریم (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضر رہنے کا شرف نصیب ہو حاضر رہیں۔ لیکن جب آقا کریم (ﷺ) کو ان کا طویل بیٹھنا تھوڑا دشوار ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ"[23]

"اے ایمان والو! نبیِّ (مکرّم ﷺ) کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے (پھر وقت سے پہلے پہنچ کر) کھانا پکنے کا انتظار کرنے والے نہ بنا کرو۔ ہاں جب تم بلائے جاؤ تو (اس وقت) اندر آیا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو (وہاں سے اُٹھ کر) فوراً منتشر ہو جایا کرو اور وہاں باتوں میں دل لگا کر بیٹھے رہنے والے نہ بنو۔ یقیناً تمہارا ایسے (دیر تک بیٹھے) رہنا نبیِّ (اکرم ﷺ) کو تکلیف دیتا ہے اور وہ تم سے (اُٹھ جانے کا کہتے ہوئے) شرماتے ہیں اور اللہ حق (بات کہنے) سے نہیں شرماتا"۔

یہاں جس تکلیف کا ذکر ہوا ہے وہ کوئی بدنی تکلیف نہیں تھی جس سے آقا کریم (ﷺ) کو زخم لگا ہو؛ یا معاذ اللہ کسی نے کوئی بدکلامی کی ہو یا کسی نے آپ (ﷺ) کے ادب کے منافی کوئی

[21] (صحیح بخاری، کتاب الحج)

[22] (الحجرات:2)

[23] (الاحزاب:53)

رویہ اختیار کیا ہو، نہیں! کوئی ایسے رویے بھی نہیں کہ جن میں تندی و سختی کا شائبہ ہو۔ مگر حضور نبی کریم (ﷺ) کی ذاتی و نجی زندگی مبارک میں مخل ہونا بھی اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں تھا۔ محض آقا کریم (ﷺ) کے معمولات میں دشواری گزری تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جب کھانا کھا چکو تو دل لگا کر نہ بیٹھا کرو اس لئے کہ میرے محبوب کو تکلیف ہوتی ہے۔

اپنے شوق و محبت سے اس کی ایک تاویل یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ "فَيَسْتَحْيِ مِنكُمْ" اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میرے حبیب مکرم (ﷺ) تم سے حیا فرماتے ہیں اور اپنی تکلیف کو برداشت کر لیتے ہیں "وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي" لیکن ان کا رب ان کی تکلیف کو معاف نہیں کرتا۔ اس لئے میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ میرے محبوب (ﷺ) کے معمولات میں مخل نہ ہوا کرو وہاں سے اٹھ جایا کرو۔

ایک لطیف سی بات تھی کہ کھانا کھایا اور حضور نبی کریم (ﷺ) کے شوق میں بیٹھ گئے۔ نہ ہی کوئی عداوت و بغض اور نہ ہی کوئی رنجش تھی محض آقا کریم (ﷺ) کی شیریں دہن جو چشمۂ علم و حکمت ہے اس کے گوہر نایاب چننے کے لئے آقا کریم (ﷺ) کی خدمت میں بیٹھ گئے تھے۔

بنمای رخ که باغ و گلستانم آرزوست
بگشای لب که قند فراوانم آرزوست

"اپنا چہرہ دکھاؤ کہ ہم باغِ گلستان کی زیارت کرلیں اپنے لبوں کو ہلاؤ کہ ہم شیریں رس اس سے پی لیں"۔

وہ اس شیریں رس کو پینے اور اس باغ و گلستان کی زیارت کے لئے وہاں بیٹھے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو آقا کریم (ﷺ) کی اتنی سی بھی تکلیف گوارا نہیں ہے۔

اس لئے یہ تمام معاملات اور بارگاہِ مصطفےٰ (ﷺ) کا یہ ادب ہمارے لئے قرآن مجید کا درس ہے کیونکہ یہ اللہ رب العزت کا ہم پر خاص کرم ہے کہ ہم رسول اللہ (ﷺ) کے کلمہ گو ہیں۔ اس لئے ہم پر آپ (ﷺ) کی بارگاہ کا ادب اور آقا کریم (ﷺ) کی جانب اپنی نسبت و توجہ اور خیال و تصور کو آقا کریم (ﷺ) کی ذاتِ اقدس سے معطر کیے رکھنا یہ ہمارے ایمان کا حصہ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت بھی۔ بدقسمتی سے ہمارا المیہ ہے کہ ہم نے ہمیشہ قرآن کو حکمِ ماضی سمجھ رکھا ہے۔ خدارا! قرآن کو اپنے حال پر منطبق کریں اور قرآن کو اپنے حال میں دیکھیں۔ قرآن یہ فرماتا ہے کہ:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا[24]

"اور (اے حبیب مکرم (ﷺ)!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے"۔

یہاں اس کی حقیقی اور واضح تاویل یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ جب انسان اپنی شیرازہ بندی کو بکھیر کر منتشر ہو جائے؛ اس کے درمیان فتنہ و فساد بڑھ جائے؛ لسانی و صوبائی تفرقے عام ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب ظلم اپنی انتہاء کو آپہنچے تو میرے حبیب (ﷺ) کی بارگاہ اقدس میں آجایا کرو۔ کیونکہ اس نے ہمارے غموں کا مداوا حضور نبی کریم (ﷺ) کی نسبت میں رکھ دیا ہے۔ اسی سے متعلق ریاض الجنۃ شریف کے مغربی راستہ پہ جہاں سے سلام کیلئے جاتے ہیں وہاں ایک بڑی کمال کی حدیث پاک لکھی ہوئی ہے:

"ایمان مدینے کی جانب ایسے لپٹ کر آتا ہے جیسے خطرے کے وقت سانپ اپنی بل میں گھستا ہے"[25]۔

تشبیہ سے مراد یہ دی ہے کہ جب ایمان پوری دنیا میں نایاب ہو جائے اور انسان کاسہ گدائی لیے دنیا بھر میں پھرتا رہے اور اسے کہیں سے بھی دولتِ ایمان نصیب نہ ہو تو وہ آقا کریم (ﷺ) کی بارگاہ اقدس میں رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم (ﷺ) کے قدم مبارک کے طفیل اسے ایمان کی دولت سے مالا مال فرمائے گا۔ اس لئے رب العالمین کی بارگاہ سے معافی

[24](النساء:64)

[25](صحیح بخاری، کتاب فضائل مدینہ)

طلب کرنے کا طریق از روئے قرآن یہ ملتا ہے کہ ہمیں حضور نبی کریم (ﷺ) کی ذات اقدس کو وسیلہ بنانا چاہیے-

عصر حاضر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا ظلم اپنی انتہاء کو آپہنچا ہے کہ لوگ عصبیت اور قومیت کے تفرقوں میں بٹ کر رہ گئے ہیں- انسانوں میں سے انسانیت ریت کے ذروں کی طرح ہاتھ سے پھسلتی جا رہی ہے، نفسا نفسی کا یہ عالم ہے کہ خون کا سرخ رنگ بھی بظاہر سفید پوش دکھنے والے لوگوں کی طرح سفید ہو گیا ہے- لیکن عقلِ انسانی اس بات پر تعجب انگیز نظر آتی ہے کہ اس زہر آلود ماحول کو قہرِ الٰہی نے کیوں اپنی آغوش میں نہیں آلیا؟ اس کا جواب ہمیں کلامِ الٰہی کو اپنے حال پر منطبق کرنے سے ملتا ہے؛ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ[26]

"اور (در حقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآں حالانکہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں"-

ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے قول و فعل، گفتار و کردار اور سوچ و فکر کو حضور نبی کریم (ﷺ) کی جانب کیا جائے جہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دروازے کھولتا ہے- ہمیں اپنے دلوں میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی الفت و محبت، عشق و ادب کو پیدا کرنے اور آقا کریم (ﷺ) سے اپنی نسبت اور تعلق کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے-

آخر میں اپنے تمام دوستو، بھائیو، خاص کر نوجوانانِ ملت کو یہ دعوت دینا چاہوں گا کہ ہمارے قائد و مرشد حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس) اِصلاحی جماعت کے پلیٹ فارم سے اِسی پیغامِ محبت و نسبتِ مصطفےٰ (ﷺ) کو لے کر مملکتِ خداداد پاکستان اور دیگر کئی ممالک میں اس دعوت کو لے کر جا رہے ہیں کہ ہمیں اپنے وجود میں ایمان کی حرارت و تپش کو پیدا کرنا چاہیے، ایمان کے شوق و ذوق کو حاصل کر کے اصل معراجِ ایمانی تک رسائی حاصل کرنی چاہیے اور ایمان کی خوشبو حاصل کر کے اس پر استقامت اختیار کرنی چاہیے- کیونکہ جب وہ خوشبو پیدا ہو جاتی ہے تو بندے کا وجود دیکھنے میں عام ہوتا ہے لیکن اپنے مقام میں اسی طرح فضیلت حاصل کر جاتا ہے جس طرح اُحد پہاڑ حضور نبی کریم (ﷺ) کی نسبت سے باقی تمام پہاڑوں سے افضل ہو جاتا ہے- بندہ بشر تو اشرف المخلوقات ہے اگر اس کے وجود کے تمام اعضاء آقا کریم (ﷺ) کی ذات سے محبت کرنے لگیں تو اندازہ لگائیں کہ اس کی فضیلت کس حد تک بلند ہو جائے گی-

آقا کریم (ﷺ) کی ذات اقدس کی محبت و عشق وہ خوشبو بخشنے والا پھول ہے جو انسان کے وجود کی مٹی کو خوشبو دار بنا دیتا ہے- پھول تو ادنیٰ سی چیز ہے کائنات کے لاکھوں کروڑوں گل و گلزار گلستان اور چمنستان بھی آقا کریم (ﷺ) کی عظمت پہ قربان کر دیے جائیں تو بہت کم ہیں-

هزار بار بشویم دهن ز مشک و گلاب
هنوز نام تو گفتن کمال به ادبی است

"اگر ہزار بار بھی اپنے منہ کو عرق و گلاب سے دھو لیں تو پھر بھی (آپ (ﷺ) کا نام مبارک منہ سے لینا بہت زیادہ بے ادبی معلوم ہوتا ہے"-

قربان جاؤں ایسی بارگاہ اقدس پر جس کا ادب و تعظیم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سکھاتا ہے- اس لئے مَیں تمام لوگوں کو اس جانب دعوت دینا چاہوں گا کہ آپ اپنی روزمرہ کی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر اصلاحی جماعت کے مبلغین؛ جو امن کی سفید دستاریں اپنے سروں پر سجائے آپ کی جانب محبت رسول (ﷺ) کی دعوت کو لے کر آتے ہیں؛ ان کے ساتھ کچھ وقت گزاریں، اس تربیت کو حاصل کر کے اللہ اور اس کے رسول کریم (ﷺ) سے محبت و عشق کی لازوال دولت و خزانہ حاصل کریں اور اپنے وجود کے ظاہر و باطن کے خلوص کو حاصل کریں جو ہمارے وجود کو منور کر دیتی ہے- کیونکہ:

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو---!

☆☆☆

[26] (الانفال:33)

(رپورٹ)

ففروا الی اللہ

سالانہ ملک گیر دورہ 2018-2019

اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین

زیرِ قیادت: سالارِ عارفین، وارثِ میراثِ سلطان العارفین

جانشینِ سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب

سرپرستِ اعلیٰ: اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین

دربارِ گوہر بار: سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو قدس اللہ سرہٗ

ادارہ

انسان مادیت اور روحانیت دو تقاضوں کا منبع ہے اور قدرت کا ازل سے یہ طریق رہا ہے کہ انسانی معاشرہ کی تشکیل اور تعلیم و تربیت کے لئے انبیاء کرام (علیہم السلام) اللہ پاک کے پیغام کو خلق تک پہنچاتے رہے اور اس کی تکمیل آقا دو جہاں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ہوئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر توحید کے ساتھ ساتھ اصل مقصد عقیدہ ختم نبوت سامنے آتا ہے- در حقیقت عقیدہ توحید اور عقیدہ ختم نبوت پر یقین کامل ہونا چاہیے جس میں ”اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب ہے“- ختم نبوت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہی تربیت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اصحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو عطا فرما کر ان کو درخشندہ ستارے قرار دیا کہ جو بھی اس فیض کو حاصل کرے تو وہ تمام مخلوق کو اپنے خالق حقیقی تک رسائی کا طریق بتائے تاکہ اس کرۂ ارض سے انسانیت کے دکھ و تکلیف دور ہو سکیں- آقا علیہ السلام کے فیض کا یہ سلسلہ تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین کے ذریعے تا قیامت چلتا رہے گا-

مالک کریم کی اپنے بندوں سے محبت کا عالم دیکھیے! کہ جب بھی مسلمانوں پر یا ان اسلامی معاشروں پر کڑا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کا انتخاب فرما کر ان کی حالتِ زار پر رحم فرمایا اور ان کے ذریعے سے معاشرے میں امن کو عام فرمایا- صوفیاء کرام جن کا ہمیشہ سے یہی طریق رہا ہے کہ وہ اپنا کام رضائے الٰہی کی خاطر سر انجام دیتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں حُبِ الٰہی، سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور انسان دوستی کے احساسات موجزن ہوتے ہیں جو کہ ریاکاری سے پاک ہوتے ہیں جس کا حصول محض جنت یا اس کی آسائش نہیں بلکہ رضائے الٰہی ہوتی ہے- ان کی ریاضت کا جذبہ فقط عشق الٰہی ہوتا ہے جس سے وہ انسان کی ظاہری و باطنی نظریاتی تربیت فرماتے ہیں-

اگر ہم اپنے گرد و نواح میں نظر دوڑائیں تو آج بھی جب ہر طرف اندھیرا چھا چکا ہے، مادی جبلتوں، توہم پرستی، خدا سے دوری اور غفلتِ قلب کی وجہ سے تمام انسانیت لحہ بہ لحہ انتشار کا شکار ہو رہی ہے جس سے ہر لحہ و ہر لحظ انسانیت کا کڑی تکلیف سے گزر رہا ہے- ان تمام خصلتوں کی وجہ پاکیزگیٔ باطن نہ ہونا ہے- آج ہمیں آقا پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اسی فیضان کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے جس سے انسان اپنی زندگی میں تکالیف کی بجائے روحانی سکون کو جاگزیں کرے- تو مالکِ پاک نے آج بھی ہماری حالتِ زار پر کرم فرمایا ہے کہ آج کے اِس مادہ پرستانہ دور میں سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو (قدس اللہ سرہٗ) کے آستانہ عالیہ سے ”اِصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ اِسی پیغامِ اِنسانیت و پیغامِ امن کو لے کر چلی ہے کہ اِنسان کو اِنسانیت کا محافظ و نگہبان بنایا جائے-

یہ وہ واحد پلیٹ فارم ہے جس کی آواز کو کسی تعصّب، تفریق اور تقسیم کے بغیر تمام مکاتبِ فکر، تمام مذاہب عالَم کے لوگ سنتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ واقعتاً یہی وہ جماعت ہے جو قرآن و سُنّت کی صحیح ترجمان اور تعلیماتِ اَسلاف و اکابر کی حقیقی مُبلّغ ہے جس کا اوّل و آخر مقصدِ انسانیت کی فلاح و بقاء اور ظاہری و باطنی پاکیزگی ہے- اِس تحریک کے بانی سُلطان الفقر حضرت سُلطان محمد اصغر علی صاحب (قدس اللہ سرہٗ) (1947ء-2003ء) ہیں آپ (قدس اللہ سرہٗ) نے انسان کے ظاہر و باطن کی تطہیر کے لئے ہی ”اِصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ کی بنیاد رکھی-

اِس دردِ انسانیت کو عامۃ الناس کے دل و دماغ میں جاگزیں کرنے کے لئے ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ کے زیرِ اہتمام جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)، سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ کی قیادت میں کئی تعلیمی، تدریسی، تحقیقی اور اشاعتی ادارے قومی و بین الاقوامی سطح پہ کام کر رہے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ عامۃ النّاس کی راہنمائی اور تربیّت و اِصلاح کیلئے علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر محسنِ انسانیت فخرِ موجودات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اسمِ گرامی سے منسوب محافلِ میلادِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حضرت سلطان باھُو (قدس اللہ سرہٗ) کانفرنسز (Conferences) کے سالانہ اجتماعات منعقد ہوتے ہیں-

یہ اجتماعات نہایت ہی منظم اور بامقصد طریقے سے ہوتے ہیں- ہر پروگرام کی ترتیب اس طرح سے ہوتی ہے کہ پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک اور نعتِ رسول مقبول (ﷺ) سے ہوتا ہے-اس کے بعد نہایت ہی خوبصورت انداز میں حضرت سلطان باھو (قدس اللہ سرّہٗ) کا عارفانہ کلام پیش کیا جاتا ہے- خصوصی و تحقیقی خطاب مرکزی جنرل سیکرٹری ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب کا ہوتا ہے، صاحبزادہ صاحب کے خطابات تحقیقی و علمی نوعیّت کے ہوتے ہیں اور تقریباً تقریباً ہر مقام پہ ایک نئے موضوع پہ نئی تحقیق کے ساتھ خطاب ہوتا ہے- بعض دیگر تحریکی مصروفیات کی وجہ سے جہاں صاحبزادہ سُلطان احمد علی صاحب تشریف نہ لا سکیں وہاں پر ناظم اعلیٰ اصلاحی جماعت الحاج محمد نواز القادری صاحب خطاب کرتے ہیں- پروگرام میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شرکت کرتے ہیں نوجوان طبقہ بھی نہایت جوش و جذبہ سے بہت کثیر تعداد میں شامل ہوتا ہے-جو لوگ اِس دعوتِ اِصلاح و تربیّت کو قبول کرتے ہیں اور بیعت ہونا چاہتے ہیں تو وہ پروگرام کے اختتام پر سرپرستِ اعلیٰ اصلاحی جماعت جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مُدّظلہ الاقدس) کے دستِ مبارک پر بیعت ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں اور ”اسم اللہ ذات“ کی لازوال دولت سے سرفراز ہوتے ہیں- بیعت ہونے والوں کی تعداد بعض مقامات پر سینکڑوں اور بعض مقامات پر ہزاروں میں ہوتی ہے- پروگرام کے آخر میں صلوٰۃ و السلام کے بعد ملک و قوم اور اُمّتِ مسلمہ کی سلامتی کے لئے دعائے خیر کی جاتی ہے-

امسال انعقاد پذیر ہونے والے ان شاندار تربیّتی و اِصلاحی اجتماعات کی تفصیل اور خطابات کی مختصر رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:-

ڈیرہ اسماعیل خان: 23-12-2017

اڈا گراؤنڈ پہاڑپور

صدارت: عکس سلطان الفقرؒ حضرت حاجی سلطان محمد بہادر عزیز صاحب

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

”قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ“[1]

”پیارے محبوب (ﷺ) آپ فرمادیں کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے“-

اطاعت اور اتباعِ رسول اللہ (ﷺ) ہر مسلمان پر لازم ہے- اطاعت سے انعام و کامیابی نصیب ہوتی ہے اور اتباع رسول سے بندہ کے گناہ بھی معاف ہو جاتے اور اللہ پاک بندہ سے محبت بھی کرتا ہے- اتباع میں سب اہم نقطہ دل کو ذکر الٰہی سے زندہ کرنا ہے“-

ڈی جی خان | 24-12-2018 | سلطانیہ میرج ہال

صدارت: عکس سلطان الفقرؒ حضرت حاجی سلطان محمد بہادر عزیز صاحب

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

”جہاں پر انسانیت کو شرف سے نوازا گیا وہیں اس کے اوپر ذمہ داریاں بھی عائد کیں جن کو نبھانا اور عملی جامہ پہنانا انسانیت کا عظیم فریضہ ہے، جن کا تذکرہ قرآن مجید فرمایا:

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ“[2]

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا فرمایا“-

---

[1] (آل عمران:31)

[2] (الذاریات:56)

آج دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم اپنے فریضہ کو ادا کر رہے ہیں؟ یا ہم نے کبھی اپنے اس فریضہ کو ادا کرنے کی کوشش کی؟ اللہ تعالیٰ کے شکر کو بجالانے کیلئے صوفیاء کرام نے ایک طریق بتایا ہے کہ اے انسان! تم اپنی سانسوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگا کر اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو‘‘۔

بہاولپور	25-12-2018	وکٹوریہ پیلس

صدارت: عکس سلطان الفقرؒ حضرت حاجی سلطان محمد بہادر عزیز صاحب

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

’’اولیاء کرام عوام کی توجہ اس راستے کی جانب مبذول کرواتے ہیں جس میں دنیا و عقبیٰ سے ماوراء ہو کر فقط رضا الٰہی کو اختیار کیا جائے کیونکہ اہل اللہ فرماتے ہیں:

’’طَالِبُ الدُّنْیَا مُخَنَّثٌ وَّطَالِبُ الْعُقْبٰی مُؤَنَّثٌ وَّطَالِبُ الْمَوْلٰی مُذَکَّرٌ‘‘

’’طالبِ دنیا مخنث ہے، طالبِ عقبیٰ مؤنث ہے اور طالبِ مولیٰ مذکر ہے‘‘۔

یعنی جو فقط دنیا کا طالب ہے اس کا شمار نہ تو مردوں میں ہوتا ہے اور نہ عورتوں میں اور جو فقط جنت کا طالب ہے وہ بھی مرد کہلانے کا حقدار نہیں بلکہ طریق صوفیاء میں حقیقی مرد وہ ہے جو اپنے رب کا طالب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور انسان کو اپنی ذات کی پہچان کے لئے تخلیق فرمایا، جیسا کہ حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا:

’’فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ‘‘[3]

’’پس میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ میری پہچان ہو‘‘۔

چشتیاں	26-12-2018	میونسپل اسٹیڈیم

صدارت: عکس سلطان الفقرؒ حضرت حاجی سلطان محمد بہادر عزیز صاحب

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

’’اللہ تعالیٰ نے جس قدر تمام مخلوقات میں انسان کو شرف و بزرگی سے نوازا ہے اسی قدر اس کو سمجھنا بھی آسان نہیں بلکہ کسی ایسے استاد اور راہبر کی ضرورت ہے جو اس میں اترنے کا فن جانتا ہو۔ مگر آج حضرت انسان اپنے مقام سے غافل ہو کر دنیا کی رنگینیوں میں کھو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے مالک و خالق کو بھلا بیٹھا ہے۔ بلکہ در اصل! اس نے خود کو بھلا دیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

’’اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ‘‘[4]

’’سو کیا تم نے یہ خیال کر لیا تھا کہ ہم نے تمہیں بے کار (بے مقصد) پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟‘‘

---

[3] (تاریخ ابن خلدون، ج:1، ص:385)

[4] (المومنون:115)

پاکپتن شریف	27-12-2018	عمر گرینڈ مارکی

صدارت: عکس سلطان الفقرؒ حضرت حاجی سلطان محمد بہادر عزیز صاحب

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

’’دورِ حاضر میں زوال سے نکلنے کا واحد راستہ قرآن و سنّت پر عمل ہے- جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

’’هُدًى لِّلنَّاسِ‘‘[3] ’’(قرآن) پوری انسانیت کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے‘‘-

مزید حدیث پاک میں رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

’’خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ‘‘[4] ’’تم میں سے بہتر وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور سکھائے‘‘-

قرآن پاک کو سیکھنے کے لئے سب سے اہم تین درجے یہ ہیں:

1. قرآن پاک کو پڑھنا 2. قرآن پاک کے معانی و مفہوم کو سمجھنا 3. قرآن پاک کے مقاصد کو سمجھنا

اس کے بعد قرآن کریم پر عمل اور پریکٹیکل ہے جس کو ہم نے ترک کر دیا اور زوال پذیر ہوگئے- اس لئے ہم قرآن و حدیث پر عمل کر کے ہی اپنے ظاہر و باطن کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں‘‘-

اوکاڑہ	28-12-2018	فاطمہ جناح پارک

صدارت: عکس سلطان الفقرؒ حضرت حاجی سلطان محمد بہادر عزیز صاحب

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

’’آج ہماری کامیابی کا انحصار ذکر اللہ پر ہے- جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ:

’’وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ‘‘[5] ’’اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ‘‘-

حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

’’اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً فَاِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ‘‘[6] ’’بیشک انسان کے جسم کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہے تو سارا جسم صحیح ہے اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے خبردار! وہ دل ہے‘‘-

اسی لئے انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اپنے دل کو پاک کرے تاکہ اُسے دونوں جہانوں کی کامیابی حاصل ہو-

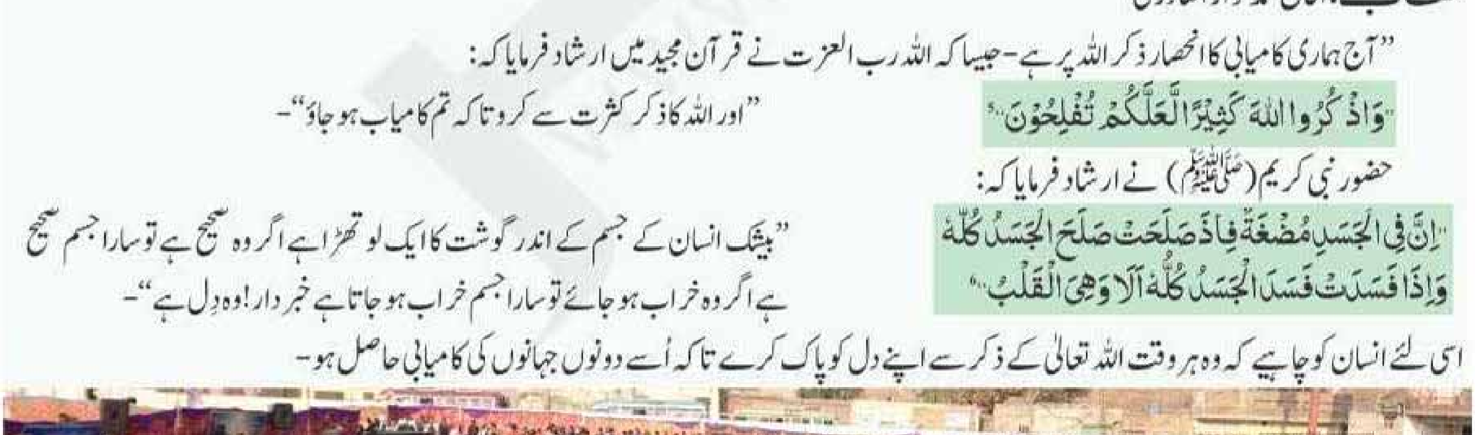

[5] (الانفال:۴۵)

[6] (بخاری شریف)

ساہیوال	29-12-2018	بلدیہ گراؤنڈ

صدارت: عکس سلطان الفقرؒ حضرت حاجی سلطان محمد بہادر عزیز صاحب

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

’’دین اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے جس کی پیروی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں کامیاب فرما دیتا ہے-اللہ رب العزت نے حضور نبی کریم (ﷺ) کی حیاتِ طیبہ کو ہمارے لئے نمونہ عمل قرار دیا ہے:

’’لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا‘‘[7]

’’فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے‘‘-

تحقیق کے حضور پاک (ﷺ) کی حیات مبارکہ ہمارے لئے ایک بہترین نمونہ ہے اور جس جس نے بھی قرآن و سنت پر عمل کرتے ہوئے حضور پاک (ﷺ) کی غلامی اختیار کی تو وہ زمانے کے امام و پیشوا بنا دیے گئے-فرمانِ نبوی (ﷺ) ہے:

’’اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیھم اھتدیتم‘‘[8] ’’میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس جس نے بھی ان کی اقتدا اور پیروی کی ہدایت پائی‘‘-

اللہ تعالیٰ نے بھی ہدایت انسانی کیلئے اپنے محبوب بندوں کا انتخاب فرمایا:

’’صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ‘‘[9] ’’ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا‘‘-

ایمان یافتہ لوگوں کی صحبت ایمان کی تقویت اور تکمیل کا سبب ہے-اس لئے اولیاء اللہ لوگو کو اس طریق کی دعوت دیتے ہیں جو بندے کو اپنے حقیقی مالک و خالق کے قرب و وصال کا پتا دیتا ہے‘‘-

ٹوبہ ٹیک سنگھ	30-12-2018	ضلع کونسل

صدارت: عکس سلطان الفقرؒ حضرت حاجی سلطان محمد بہادر عزیز صاحب

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

’’قرآن مجید بندے اور خدا کے درمیان رابطے کا وسیلہ ہے اور ضابطہ حیات ہے-مگر ہم اپنا اور اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو ہمارا قرآن کریم سے ایک فرضی سا تعلق رہ گیا ہے ہم نے کبھی قرآن مجید میں جھانک کر نہ دیکھا ہے اور نہ تدبر و تفکر کرنے کی کوشش کی-حالانکہ اگر ہم قرآن و سنت میں غور و فکر کریں تو اسی میں ہماری عظمت و توقیر کا راز پوشیدہ ہے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

’’اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ‘‘[10] ’’بے شک یہ قرآن اس (منزل) کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے درست ہیں‘‘-

[7](الاحزاب:21)

[8](لسان المیزان، جز:2، ص:172)

[9](فاتحہ:6)

[10](بنی اسرائیل:9)

مظفر گڑھ	02-01-2019	سیال میرج ہال

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)۔

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

”انسان کی تکمیل کے لئے انسان کے دو پہلوؤں پر عمل کرنا از حد ضروری ہے:

1- انسان کا ظاہری وجود

2- انسان کا باطنی وجود

انسان کے ان دو وجود کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

”فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ“[11]

”پھر جب میں اس (کے ظاہر) کو درست کرلوں اور اس (کے باطن) میں اپنی (نورانی) روح پھونک دوں تو تم اس (کی تعظیم) کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا“۔

یعنی انسان کی تکمیل کا پہلا مرحلہ اس کا ظاہری وجود ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ جب مَیں اسے تیار کرلوں یعنی اس کے ظاہری وجود کی تکمیل کردوں -اس کے بعد دوسرا مرحلہ روح کو داخل کرنے کا ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ اس کے ظاہری وجود کو پیدا کرکے اس کے اندر نورانی روح کو داخل فرمادوں یعنی انسان کے باطن کی بھی تکمیل کردوں -جب انسان کی تکمیل یعنی انسان کے ظاہر و باطن مکمل ہوجائیں تو اے ملائکہ! تم فوراً سجدے میں گر جانا- جس طرح آج ہمیں، ہمارے ظاہری وجود کو توانا و درست اور رہنے کے لئے ظاہری غذا کی ضرورت ہے اسی طرح اپنے باطن کے وجود کو توانا و درست رکھنے کے لئے اللہ پاک کے ذکر کی از حد ضرورت ہے کیونکہ جب ظاہر و باطن دونوں توانا ہوتے ہیں تب جا کر انسان کی تکمیل ہوتی ہے“۔

راجن پور	03-01-2019	میونسپل اسٹیڈیم گراؤنڈ

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)۔

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

اللہ تعالیٰ نے انسان کے سر پہ نیابت کا تاج رکھا ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ“[12] ”اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی“۔

شرفِ انسانیت اور معراج و مقام انسانیت حاصل کرنے کیلئے حضور نبی کریم (ﷺ) اطاعت و اتباع ضروری ہے۔

کندھ کوٹ	04-01-2019	چیزل شاہ شادی ہال

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)۔

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

”اللہ رب العزت نے انسان کو دو وجود عطا کیے ہیں ایک مادی سفلی کثیف جسم ہے جس کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے ایک روحانی علوی لطیف جسم ہے جس کا تعلق انسان کے باطن سے ہے ان دونوں کے خورد و نوش اور پاکیزہ و طاہر ہونے کے الگ الگ تقاضے ہیں- افسوس کہ! آج ہم صرف اپنے ظاہر تک محدود ہو کر رہ گئے اور اپنے باطن کے تقاضوں سے غافل ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے ہم اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو کر اپنے رب کو ہی بھول بیٹھے ہیں- اصلاحی جماعت ہم سب کو خبر کرنے آئی ہے کہ ہم اپنے جسم اور روح دونوں کے حقوق کی بجا آوری کرکے اپنے حقیقی مقصد کو حاصل کریں“۔

---

[11] (سورۃ ص:72)

[12] (الاسراء:70)

جیکب آباد	05-01-2019	حمیدیہ ہائی سکول گراؤنڈ

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)۔

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

”قرآن کا نزول انسانوں کی ہدایت کے لئے ہوا ہے زندگی کے ہر گوشے میں قرآن انسان کی رہنمائی کرتا ہے لیکن افسوس! کہ آج ہمارا تعلق قرآن سے کمزور ہو گیا ہے کیونکہ یہ ایک اٹل قانون ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی قوم کو ترقی عطا فرماتا ہے تو قرآن پاک کے ذریعے ہی عطا فرماتا ہے۔ جو قومیں زوال پذیر ہیں ان کے زوال کا سب سے بڑا سبب ہی یہی ہے کہ ان قوموں نے قرآن کے اصول کو چھوڑ کر غیروں کے اصولوں کو اپنایا ہے۔ یاد رکھیں! کل قیامت کے دن حضور رسالتِ مآب (ﷺ) اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ میں یہی عرض کریں گے کہ:

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا[13]

”اور رسول (اکرم ﷺ) عرض کریں گے کہ: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو بالکل ہی چھوڑ رکھا تھا“۔

بقول حضرت علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ):

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر   اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر[14]

اگر آج ہم! دنیا و آخرت میں بلندی و کامیابی چاہتے ہیں تو ہمیں قرآن کے ساتھ پھر سے اپنا رشتہ قائم کرنا ہو گا“۔

قبو سعید (شہداد کوٹ)	06-01-2019	گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری اسکول

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)۔

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

”اولیاء اللہ کی تعلیمات کا مقصود یہ ہے کہ جسم کے اندر جو روح مردہ ہے اسے زندگی نصیب ہو اور روح کی زندگی ذکر اللہ کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے جیسا کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَةٌ وَّ صِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللهِ تَعَالٰی[15]

”ہر چیز کو صاف کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی آلہ ہوتا ہے دل کو صاف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے“۔

آج! ”اصلاحی جماعت“ اللہ پاک کے اسی ذکر کو عام بھی کر رہی ہے اور اسے حاصل کرنے کی دعوت بھی دے رہی ہے تاکہ لوگ ذکر اللہ کے ذریعے اپنی زندگی کا مقصد حاصل کر سکیں“۔

گھوٹکی	07-01-2019	سرکاری باغ

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)۔

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

---

[13] (الفرقان:30) [14] (بانگِ درا) [15] (مشکوۃ المصابیح، کتاب الدعوات، ص:201)

"قرآن مجید فرقان حمید ہمیں دو گروہوں کے متعلق بتاتا ہے "حزب اللہ" اور "حزب شیطان"-یعنی ایک گروہ رحمانی ہے اور دوسرا شیطانی-دین اسلام ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف بلاتا ہے جبکہ شیطان ہمیں گمراہی کی طرف لے جاتا ہے-اس لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ"[16]

"اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی مت کرو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"-

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ اختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق جو راستہ اختیار کرنا چاہتے ہو اسے اختیار کرو-فرمانِ خداوندی ہے:

"اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا"[17]

"بے شک ہم نے اسے (حق و باطل میں تمیز کرنے کے لیے شعور و بصیرت کی) راہ بھی دکھا دی، (اب) خواہ وہ شکر گزار ہو جائے یا ناشکر گزار رہے"-

شکر کا راستہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع میں ہے اور اس کے برعکس اگر شیطان کے راستے کو اختیار کرو گے تو شیطان تمہیں کفر کے بہکاوے میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کی ذات سے غافل کر دے گا-اس لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے شکر کا راستہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ ہم اپنے مالکِ حقیقی کی یاد میں رہ کر اس کا قرب و وصال حاصل کریں"-

رحیم یار خان	08-01-2019	سکول گراؤنڈ

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)-

خطاب: مرکزی جنرل سیکرٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

"صاحبزادہ صاحب نے قرآن و حدیث کی روشنی میں عنوانِ تصوف پر سیر حاصل گفتگو فرماتے ہوئے فرمایا کہ تصوف تکبر کو مٹا کر عاجزی کو پیدا کرتا ہے-زبان کی سختی کو ختم کر کے نرمی پیدا کرتا ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا"[18]

"اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی (عاجزی) سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں"-

قرآن مجید میں عاجزی سے مراد یہ دونوں باتیں زیر بحث آتی ہیں زبان میں نرمی اور چال میں عاجزی پیدا ہونا-اسی طرح حدیث مبارکہ میں یہ دونوں باتیں ساتھ ساتھ ذکر کی گئی ہیں-جیسا کہ امام طبرانی کی حضرت عبد اللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے حجرہ مبارک سے باہر مشرق کی طرف اپنا رخ انور کر کے فرمایا یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا اور یہ زلزلوں اور فتنوں کی زمین ہو گی-آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "وَمِنْ هٰهُنَا الْفَدَّادُوْنَ"-"فَدَّادُوْن" میں دونوں لوگ شامل ہیں سخت گفتار اور سخت رفتا-اس لئے کہ تکبر ناپسندیدہ عمل ہے-

اسی طرح تصوف میں سخاوت کے عنصر پہ پُر مغز گفتگو کی گئی اور مختلف صوفیاء کرام کے واقعات بیان کیے گئے-پھر اس موضوع پر بات کی گئی کہ تصوف کے ذریعے وجود سے تعصب اور تشدد کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے-اس کے بعد یہ بات کی گئی کہ صوفیاء کرام لوگوں کے عمل کی وجہ سے ان سے معاملات نہیں کرتے بلکہ اپنی نرمی کے مطابق ان سے معاملہ کرتے ہیں-جیسا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ "خوشبو کو کہا گیا کہ تم میں یہ عیب ہے کہ تم جس کے پاس جاتی ہو وہی معطر ہو جاتا ہے-خوشبو نے کہا میں جس کے پاس جاتی ہوں یہ نہیں دیکھتی کہ وہ کون ہے بلکہ یہ دیکھتی ہوں کہ مَیں کون ہوں"-اسی طرح تصوف عفو و درگزر کو

[16](البقرۃ:208) [17](الدھر:3) [18](الفرقان:63)

پیدا کرتا ہے اور نگاہ باطن کو پیدا کرتا ہے جو کہ طریق تصوف میں تربیت کا اولین معیار ہے- اس پر خلفائے راشدین کی حیاتِ مبارکہ سے مستند حوالہ جات کے ذریعے دلائل پیش کئے گئے کہ صحابہ کرام اور خاص کر خلفائے راشدین کو کیسے نگاہِ باطن نصیب ہوئی تھی؟‘‘

لودھراں 09-01-2019

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ’’اصلاحی جماعت وعالمی تنظیم العارفین‘‘ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)-

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

صاحبزادہ صاحب نے ’’معاشرتی اصلاح‘‘ کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ دین کا مقصد ایسا معاشرہ بنانا ہے جو نقائص اور افراد میں فساد و انتشار پھیلانے والے عنصر سے پاک ہو- ایسے معاشرے کی بنیادیں ہمیں قرآن مجید اور سیرتِ رسول (ﷺ) سے ملتی ہیں- گفتگو کا زیادہ تر موضوع چغلی اور غیبت کی ممانعت کی حکمت پہ رہا کیونکہ کسی کی چغلی اور غیبت کرنا ایک ایسا فعل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی احادیث مبارکہ میں سختی سے منع فرمایا ہے- دورانِ خطاب اس حدیث پاک پہ طویل گفتگو کی گئی کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) حضور نبی کریم (ﷺ) سے روایت بیان فرماتے ہیں کہ:

’’أَنَّهُ مَرَّ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ، إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً، فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً. فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ، لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا؟ فَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا‘‘[19]

رسول اللہ (ﷺ) دو قبروں کے پاس سے گزرے جن کو عذاب ہو رہا تھا تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے اور انہیں کسی بڑی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا (بلکہ ان پر ایسی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اگر وہ چاہتے تو اس عذاب سے بچ سکتے تھے) جہاں تک پہلے کا تعلق ہے وہ پیشاب (کے قطروں) سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا تھا پھر آپ (ﷺ) نے ایک تر ٹہنی پکڑی اور اس کے دو حصے کیے اور ہر ایک کی قبر میں ایک حصہ گاڑھ دیا تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض ’’یا رسول اللہ (ﷺ) آپ (ﷺ) نے یہ عمل کیوں فرمایا تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اس عمل سے اللہ پاک ان دونوں کے عذاب میں تخفیف فرمادے گا جب تک یہ خشک نہ ہوں‘‘-

صوفیاء کرام نے قبور پر تازہ پھولوں کو ڈالنے کا طریق اس حدیث مبارکہ سے اخذ کیا ہے جیسا کہ امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت بریدہ اسلمی (رضی اللہ عنہ) کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

[19] (صحیح بخاری، کتاب الجنائز)

وَأَوْصَى بُرَيْدَةُ الْأَسْلَمِيُّ أَنْ يُجْعَلَ فِي قَبْرِهِ جَرِيْدَانِ[20]

حضرت بریدہ اسلمی (رضی اللہ عنہ) نے وصیت فرمائی کہ اس کی قبر میں دو شاخیں گاڑھی جائیں"۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندہ چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے اس لئے جب تک پودوں میں زندگی باقی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں- جن قبور کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے ان قبور پر عذاب کی تخفیف ہو جاتی ہے- اسی طرح جب قبور پر تازہ پھول یا تازہ کھجور کی شاخ کے پتے ڈالے جاتے ہیں تو وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے عذاب میں کمی واقع ہوتی ہے- اسی طرح جب تک صوفیاء کرام، والدین یا رشتہ داروں کی قبور کے نزدیک فاتحہ و تلاوتِ قرآن ہوتی رہتی ہے تو اللہ کے ذکر کی برکت کی وجہ سے ان قبور پہ رحمت ہوتی رہتی ہے- یہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا طریق تھا جو خود حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے عمل سے سکھایا تھا- اس طرح کے اعمال اگر امت اپنی روزمرہ کی زندگی میں شامل کرے تو ہماری دنیاوی، برزخی اور اُخروی تینوں زندگیاں خوبصورت بن سکتی ہیں"-

ملتان	10-01-2019	قلعہ کہنہ قاسم باغ اسٹیڈیم

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)-

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

"قلعہ کہنہ قاسم باغ اسٹیڈیم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا جس میں اہل ملتان اور گردونواح کے علاقوں سے عظیم ترین اجتماع جمع تھا- لوگ میلادِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محفل میں جوش و خروش سے شرکت کر رہے تھے- مرشد کریم حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس) کے چہرۂ مبارک کی زیارت کی تڑپ لئے ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھے- نعت خواہ حضرات صوفی غلام شبیر اور محمد رمضان سلطانی نے نعت شریف اور کلام باھو سے لوگوں کے دلوں کو جگایا- مفتی محمد مطیع اللہ قادری صاحب کے بیان کے بعد ناظم اعلیٰ اصلاحی جماعت الحاج محمد نواز القادری نے خطاب فرمایا- جبکہ صاحبزادہ صاحب نے خصوصی خطاب "سیرتِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)" پر فرماتے ہوئے فرمایا کہ سیرت کے تین پہلو ہیں جن میں خصائل، شمائل اور فضائل شامل ہیں- مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان تینوں کے ساتھ تبرک و توسل اختیار کریں- بالخصوص صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے ہاں یہ رواج تھا کہ تابعین جنہوں نے ظاہری طور پر حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا اور ایسے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) جنہوں نے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت بہت کم عمر میں کی تھی؛ کے درمیان بیٹھ کر حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظاہری حسن و جمال اور حلیہ مبارک بیان فرمایا کرتے تھے جس طرح کہ حدیث مبارکہ میں مختلف الفاظ ملتے ہیں کہ تابعین اور کم عمر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) فرماتے کہ ہمارے لئے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصاف حمیدہ بیان کریں- اسی طرح تابعین روایت کرتے ہیں کہ: "یَصِفُ النَّبِیَّ (ﷺ)" میں نے فلاں صحابہ کو سنا وہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصاف بیان کر رہا تھا- صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ "اِنْعَتْ لَنَا النَّبِیَّ (ﷺ)" ہمارے لئے آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کمالات کا بیان کیجئے یا بعض صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) جنہوں نے آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرہ انور کی زیارت کی تھی مگر حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جلالتِ شان کی وجہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصاف کو یاد نہ رکھ پائے وہ یہ فرماتے تھے کہ "وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ"، "اگر کوئی شخص پوچھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حلیہ، وصف بیان کرو"- اس لئے صحابہ

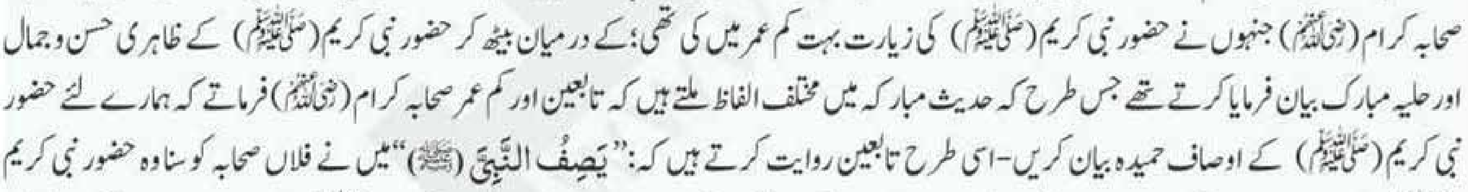

[20] (ایضاً)

کرام (رضی اللہ عنہم) کا رواج کہ وہ حضور نبی کریم (ﷺ) کا حلیہ مبارک اور اوصافِ حمیدہ بیان کرتے تھے؛ آج تک امت کے سوادِ اعظم یعنی اہلسنت نے زندہ رکھا ہوا ہے- اس لئے عشاق کی یہ علامت ہے کہ وہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے حُسنِ لازوال کے اوصاف و کمالات کا بیان کرتے ہیں- ایسی محافل کا انعقاد کیا جانا چاہیے جس میں اپنے بچوں، اہل خانہ اور عامۃ المسلمین کو یہ بتایا جائے کہ اس کائنات میں ظاہراً اور باطناً حضور نبی کریم (ﷺ) کی ذات اقدس سے بڑھ کر کوئی صاحبِ حسن و جمال پیدا نہیں ہوا"-

وہاڑی	11-01-2019	سلطان باھو فٹبال اسٹیڈیم

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

"خصوصی خطاب کا بنیادی موضوع روحانیت اور کشف و الہام کا سنتِ رسول (ﷺ) سے اثبات تھا جس پر کتبِ احادیث سے مستند دلائل کے ساتھ طویل گفتگو کی گئی اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے وقوع پذیر ہونے والے الہام، کشف، خرقِ عادت اور کرامت کے واقعات کو بیان کیا گیا- آخر میں یہ واضح کیا گیا کہ روحانی بشارات پر یقین مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے اور اس کا رد کسی طور بھی ممکن نہیں ہے- پاکستان بھی روحانی بشارات کے ذریعے ہی وجود میں آیا ہے- اس لئے پاکستان سے وفا اسلام سے وفا ہے اور پاکستان سے بے وفائی اسلام سے بے وفائی ہے- پاکستان کی حفاظت کرنا اسلام کی حفاظت کرنے کے مترادف ہے اور

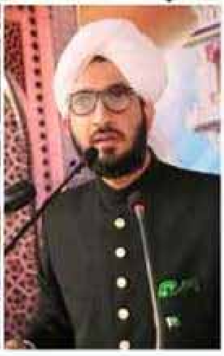

پاکستان پر حملہ کرنا اسلام پر حملہ کرنے کے مترادف ہے کیونکہ پاکستان مدینہ ثانی ہے اور حضور نبی کریم (ﷺ) کے حکم مبارک سے قائم کیا گیا ہے- موجودہ فکری انتشار کے پیچھے جو مختلف قوتیں ہیں ہمیں ان کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے- نسلی، لسانی اور اس طرح کی دیگر تحریکیں جیسا کہ مذہبی اور سیاسی فرقہ واریت کی نفی کرنی چاہیے اور ہر مسلمان کو پاکستان کے ساتھ از سرِ نو اپنا عزم وفا باندھنا چاہیے"-

خانیوال	12-01-2019	میونسپل اسٹیڈیم

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)-

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

"گفتگو کا ابتدائی حصہ سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات پر مشتمل تھا جس میں سرکارِ دو عالم (ﷺ) کے ادب و تعظیم کی اہمیت اور اس کے اصل ایمان ہونے پر گفتگو کی گئی- اس کے بعد گفتگو کا زیادہ تر موضوع سورہ الحجرات کی "آیات:12" اور دیگر ایسی آیات رہیں جن میں قرآن مجید نے مسلمانوں کو مثبت سوچ (positive thinking) کی تلقین کی ہے- ان احکام پر گفتگو فرماتے ہوئے صاحبزادہ صاحب

نے فرمایا کہ قرآن نے بھی ہمیں یہی بتایا ہے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں- اسی طرح قرآن مجید نے غیبت سے منع کیا ہے اور اس کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جو غیبت کرتا ہے وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کی میت کا گوشت کھاتا ہے جس میں مسلمان، مؤمن اور ہر ذی شعور انسان کیلئے کراہت ہے- قرآن مجید ہمیں کراہت سے بچنے کی تلقین کرتا ہے"-

جھنگ	13-01-2019	مائی ہیر اسٹیڈیم

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)-

خصوصی خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

”قرآن مجید کی روشنی میں والدین کی خدمت واطاعت“ صاحبزادہ صاحب کے خطاب کا موضوع سخن رہا جس میں بنیادی طور پر ایک مکمل مقدمہ پیش کیا گیا کہ والدین کے احترام کی تہذیبی و معاشرتی اہمیت اور فلسفیانہ معنویت کیا ہے جو کہ ایک آفاقی نظم کا حصہ ہے اور اس آفاقی نظم کو اللہ تعالیٰ نے کل نظم کائنات کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے- قبل از اسلام بعض شریعتوں میں ایسے بیانات ہیں جو ایک شریعت میں ہوتے تھے اور دوسری شریعت میں نہیں- لیکن کوئی شریعت ایسی نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید، رسل عظام (علیہم السلام) کی رسالت پر ایمان اور والدین کے احترام کو ضروری نہ ٹھہرایا گیا ہو- جس طرح سچ بولنے کی تاکید کی گئی ہے اسی طرح والدین کی خدمت کرنا بھی ہم پر لازم کیا گیا ہے- قرآن مجید میں بھی دیگر امتوں کے لئے جو والدین کے لئے احکامات تھے ان کو واضح اور روشن طریقے سے بیان کیا گیا ہے- اس کے بعد شریعتِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں جس طرح والدین کے ساتھ حسن سلوک کو، ان کے حقوق کو اور ان کے اجر کو بیان کیا گیا اس پر مفصل اور مدلل روشنی ڈالی گئی-

فیصل آباد	14-01-2019	پہاڑی والی گراؤنڈ

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)-

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

”موضوعِ گفتگو ”سرکارِ دوعالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حلیہ مبارک“ تھا جس میں صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی مستند روایات کی روشنی میں تقریباً دو گھنٹوں تک صاحبزادہ صاحب نے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حسن و جمال اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ان خصائل اور شمائل پر گفتگو فرمائی جس کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) گرویدہ ہوئے- حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظاہری وصال کو 1400 سال گزرنے کے بعد بھی یہ امت حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بنا دیکھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حسن و جمال کی گرویدہ ہے- اس میں بنیادی طور پر یہی فلسفہ بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں ان لوگوں کو امتیازی حیثیت حاصل تھی جو حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصافِ حمیدہ کو زیادہ بہتر طریقہ سے بیان کر سکتے تھے- جیسا کہ سید شباب اہل جنۃ امام حسن ابن علی (رضی اللہ عنہما) اپنے ماموں جان حضرت ہند بن ہالہ تمیمی (رضی اللہ عنہ) کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ:

”كَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِّ (ﷺ)“[21] ”وہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حلیہ مبارک نہایت عمدگی سے بیان کرتے تھے“-

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں یہ ایک الگ مقام سمجھا جاتا تھا کہ کونسا صحابیٔ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حلیہ مبارک کو بہتر طریقے سے بیان کر سکتا ہے- اسی طرح حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے اشعار بالخصوص ”سلامِ رضا“ سے استفادہ کیا گیا اور ان اشعار کا انطباق ان احادیث مبارکہ کے مطابق کیا گیا کہ کہاں سے ان اشعار کی اصل سلامِ رضا میں شامل ہوئے ہیں- خاص کر جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مانگ مبارک اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زلفوں مبارک کی بات آئی تو شعر پڑھا گیا:

لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق　　　مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

[21] (المعجم الکبیر، رقم حدیث: 414)

یہاں صاحبزادہ صاحب نے بہت قابل غور نکتہ بیان کیا کہ شعر اُنے اپنے محبوب کی زلفوں کے گھنے، سیاہ و خوبصورت ہونے کو رات سے تشبیہ دی ہے لیکن اعلیٰ حضرت نے حضور نبی کریم (ﷺ) کی زلفوں مبارک کو محض رات سے تشبیہ نہیں دی کیونکہ کئی راتیں ایسی ہیں جن میں شیاطین، وبائیں، مصائب و آلام اترتے ہیں بلکہ انہوں نے حضور نبی کریم (ﷺ) کی زلفوں مبارک کو لیلۃ القدر سے تشبیہ دی جن میں قرآن یہ کہتا ہے کہ اس رات فرشتے اترتے ہیں-یعنی حضور نبی کریم (ﷺ) کی زلفیں مبارک محض رات نہیں ہے بلکہ لیلۃ القدر کی رات ہے-اسی طرح آپ (ﷺ) کی مانگ مبارک جو آپ (ﷺ) کے بال مبارک کو علیحدہ کرتی جس سے آپ (ﷺ) کی جلد مبارک واضح نظر آتی ؛وہ سورۃ القدر کے آخری الفاظ ''مطلع الفجر'' کی مصداق ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی جلد مبارک سے انوار ازل کی روشنی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو نصیب ہوئی''-

لیہ	16-01-2019	خورشید شاہ گراؤنڈ

صدارت: سرپرست اعلیٰ ''اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین'' جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

''خصوصی خطاب بنیادی طور پر سورہ الحجرات کے درس پر مشتمل تھا جس میں سورہ الحجرات کو اللہ تعالیٰ نے جس ترتیب میں بیان کیا ہے اس ترتیب میں اس کے تین بنیادی حصے بنتے ہیں-پہلا حصہ جس میں ادبِ مصطفےٰ (ﷺ) کے ادب و تعظیم پر تعلیم تلقین گئی ہے، دوسرا حصہ وہ آیات بینات ہیں جس میں معاشرتی اصلاح و ایمانیات کا بیان ہے اس کو درجہ بدرجہ زیر بحث لایا گیا-جن میں سورہ الحجرات، سورہ الاحزاب، سورہ البقرۃ اور دیگر احکام کی سورتیں شامل ہیں-ایسے احکامات کو امت میں خاص کر نوجوانوں میں ایسے نکات کو پھیلانے کے لئے دروس کی محافل کا انعقاد کیا جانا چاہیے تاکہ وہ قرآن مجید کے فیض سے عملی طور پر اپنا حصہ حاصل کر کے اپنے مشامِ جان کو نورِ قرآن سے معطر و منور کر سکیں''-

بھکر	17-01-2019	ڈمے والا کلور کوٹ

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ''اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین'' جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)-

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

''گفتگو کے بنیادی موضوع ''حضور نبی کریم (ﷺ) کی سیرتِ مبارکہ'' پر اپنا منہج واضح کیا گیا کہ بعض سیرت نگاروں نے سرکارِ دو عالم (ﷺ) نے کی سیاسی زندگی کو اتنا زیادہ پھیلا کر بیان کیا ہے کہ ان سیرت نگاروں کے بقول دین صرف ایک نظامِ سیاست و طرزِ سیاست کا نام ہے یا اس سے بڑھ کر دین صرف عبادات کا ایک مرکز ہے اور کچھ نہیں-جبکہ اصل دین حضور نبی کریم (ﷺ) کے کمالات و اوصاف کی معرفت حاصل کرنا ہے جس کے بغیر محبت شدت نہیں پکڑتی-اس لئے لازم ہے کہ اُمت کو جہاں پر ان کی حیاتِ اجتماعیہ اور حیاتِ سیاسیہ کے بارے میں بتایا جائے وہیں حضور نبی کریم (ﷺ) کی معرفت اور آپ (ﷺ) کے کمالات و اوصاف سے بھی آگاہ کیا جائے تاکہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی محبت دلوں میں اس طرح جاگزین ہو جس طرح صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی''-

(جاری ہے)

امیر الکونین

تصنیف لطیف از:

سلطان الفقر (پنجم) سلطان العارفین

حضرت سخی سلطان باھوؒ

قسط:53

مترجم: سید امیر خان نیازی

یہ جملہ دل پذیر و فرحت بخش مراتب نفس پر امیر فنا فی اللہ فقیر روشن ضمیر سے حاصل ہوتے ہیں- جو کچھ غلاظتِ زوال ہے اُسے اسم اللہ ذات کے تصور و تصرف سے اپنے دل کی تختی سے مٹا دے- مراتبِ نعم البدل کی خبر رکھ کہ راہِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنیاد نعم البدلِ وصل ہے- نعم البدل کی مکمل شرح وہ مرشدِ کامل بیان کر سکتا ہے جو طریقِ تحقیق سے ہر مشکل حل کرنے پر قادر ہو- فرمانِ حق تعالیٰ ہے: ”اور نہیں ہے مجھے توفیق مگر اللہ کی طرف سے“- توفیق اللہ تعالیٰ کی عطائے فیض فضل اللہ کا بے ریاضت راز ہے وہ جسے چاہتا ہے حاضراتِ اسم اللہ ذات سے کل و جز مراتب و علمِ حکمت بخش دیتا ہے- ناسوت اور لاھوت لامکان کے درمیان ستر کروڑ تیس لاکھ اَن دیکھے اور اَن سنے مقاماتِ حجابات ہیں جو راہزنی کرتے ہیں- مرشد وہ ہے جو طالب اللہ کو ایک ہی قدم پر اور ایک ہی دم میں باطن کے جملہ مقاماتِ حجابات طے کرا کے لاھوت لامکان میں پہنچا دے- اِس کے بعد اُسے تصورِ اسم اللہ ذات کا مکمل تصرف بخش دے تا کہ وہ مالک الملکی فقیر بن کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں جہان کا لازوال مالک الملک امیر بن جائے- یہ ہیں معرفتِ قرب اللہ وصال کے مراتبِ فضل- فقیر وہ نہیں جو قیدِ نفس میں اسیر ہو اور استدراج کا شکار ہو کر معرفتِ معراج سے بے خبر ہو-

ابیات: (1) ”معیتِ خدا میں پہنچانے والی دعوت تصورِ اسم اللہ ذات سے کھلتی ہے، اِس قسم کی دعوت اولیاء اللہ کے عمل میں ہوتی ہے“- (2) ”تصورِ اسم اللہ ذات کی دعوت سے روح سراسر نور ہو جاتی ہے- ایسی دعوت کو شروع کرتے ہی اہلِ دعوت کا جسم مغفور ہو جاتا ہے“-

جو اہلِ دعوت اِس طریق سے دعوتِ تصورِ اسم اللہ ذات پڑھتا ہے اُس کی زبان، اُس کی نظر، اُس کی سماعت، اُس کے ہاتھ، اُس کے پاؤں، اُس کا نفس مطمئنہ، اُس کا قلب و قالب، اُس کی روحِ مقدس رحمتِ رحمن اور اُس کے ساتوں اندام نور ہو جاتے ہیں- یہ ہے وہ شہسوارِ قبر عاملِ عملِ روحانی جو روحانیتِ قبور پر دعوت پڑھنے کے لائق ہے-

شرحِ نورانیتِ ہفت اندامِ بدن:

ذکرِ دوام و فکرِ فنائے نفس بہ حضور دوام کے لئے چوبیس مرتبہ مشق وجودیہ کی ضرورت ہے چنانچہ مشق بہ تصور، مشق بہ تصرف، مشق بہ توجہ، مشق بہ تفکر، مشق بہ مشاہدہ، مشق بہ قرب، مشق بہ نور اور مشق بہ حضور کرنے سے مراتبِ معشوقِ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تک رسائی حاصل ہوتی ہے جن کے بارے میں اِس آیتِ مبارکہ میں اشارہ دیا گیا ہے، فرمانِ حق تعالیٰ ہے: ”اے نبی! آپ اُن لوگوں کی صحبت میں رہا کریں جو رات دن دیدارِ پروردگار کی خاطر اللہ کو پکارتے رہتے ہیں، آپ اپنی توجہ اُن سے نہ ہٹایا کریں- کیا آپ زینتِ دنیا چاہیں گے؟ آپ اُس کا کہنا مت مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ ہوائے نفس کی خاطر حد سے گزر گیا“-

(جاری ہے)

ABYAT-E-BAHOO

ابیاتِ باھُو

راتیں نیناں رت ہنجوں رُوون تے ڈیہاں غمزہ غم دا ھُو
پڑھ توحید وڑیا تن اندر سکھ آرام ناں سمدا ھُو
سِر سُولی تے چا ٹنگیونے ایہو راز پرم دا ھُو
سِدھا ہو کوہیوئیے باھُوؒ قطرہ رہے ناں غم دا ھُو

Eyes cry blood at night and in daytime sorrow of grief Hoo
By reciting monotheism entered in being cannot sleep a moments brief Hoo
Placed the head upon crucifixion this is the secret of love's belief Hoo
Get slaughtered straight away 'Bahoo' will leave drop of grief Hoo

Rati'N nain hanjo rowan tay Deeha'N ghamza gham da Hoo
PaRh Tawheed waRya tan andar sukhh aaram na'N samda Hoo
Sarr soli tay cha tangyonay eho raz param da Hoo
Siddha ho kohiwiye 'Bahoo' qatra rahy na'N gham da Hoo

Translated by; M. A. Khan

تشریح:

دل بگریاں جان بریان جگر خون بر زبان ہرگز نیاید حرف چون[1]

"(جب دل وحدت آشنا ہوتا ہے تو) دل گریہ زاری کرتا رہتا ہے جان جلتی رہتی ہے اور جگر خون ریز رہتا ہے لیکن زبان پر اف تک نہیں آتی"۔

جن خوش نصیب لوگوں کو اللہ پاک دولتِ فقر سے نوازتا ہے ان کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر ہوتے ہیں اور ہمیشہ اللہ پاک کی یاد میں جلتے رہتے ہیں اور وہ دنیاوی راحت و سکون کو پسند نہیں کرتے جیسا کہ حضور نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان مبارک ہے:

"اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ الْاَوْلِیَاءِ"[2] "اولیاء اللہ کے دلوں پہ سکون حرام ہے"۔

سوچنے کی بات یہ ہے جہاں ہر کوئی راحت و آرام کا متلاشی ہے وہاں عاشق اضطراب و بے چینی کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے آپ (قدس اللہ سرّہٗ) فرماتے ہیں:

دل فقر در نظر اللہ پاک ذات دل کہ باشد نظرِ اللہ چاک چاک

"دولتِ فقر سے معمور دل ہمیشہ اللہ پاک کی نظر میں رہتا ہے اور اللہ پاک کی نظر میں آیا ہوا دل ہمیشہ چاک چاک رہتا ہے"۔

2۔ جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت انسان کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کو وقتی آرام و سکون اچھے نہیں لگتے، بلکہ وہ "سراپا سوختن اندر طلب" کے مصداق بن جاتے ہیں اور ان کی زندگی اللہ پاک کے اس فرمان کے مطابق گزرتی ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ[3] "فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج اور قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے"۔

3۔ پیار و محبت کے راستے کا رازیہ ہے کہ جان جوکھوں میں ڈال کر سر کو محبوب کے قدموں میں قربان کر دیا جائے جیسا کہ آپ (قدس اللہ سرّہٗ) فرماتے ہیں:

"جس طرح جانور کو اللہ اکبر کہہ کر چھری سے ذبح نہ کیا جائے وہ حلال نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر نفس کو اللہ اکبر کی تکبیر سے ذبح نہ کیا جائے معرفت وصالِ حق تک ہرگز نہیں پہنچا جا سکتا۔ جو آدمی موت سے ڈرتا ہے وہ عاشق نہیں، ابھی خام ہے۔ جو طلب دیدار کا دعویٰ کرتا ہے مگر خود کو مارتا نہیں وہ اہلِ دنیائے مردار ہے۔ مجاہدہ بامشاہدہ، ریاضت باراز اور دائمی نماز کی عبادت کہ جس سے اسرارِ پروردگار کے تمام حجابات اُٹھتے ہیں"۔[4]

4۔ عشق قربانی مانگتا ہے تو جب قربانی کے بغیر انسان کو منزل نہیں ملتی تو انسان کو بغیر کسی لیت و لعل کے قربانی دینی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو جب اللہ پاک کی راہ میں اپنے فرزند ارجمند کی قربانی کا حکم ہوتا ہے، تو آپ (علیہ السلام) جب بیٹے کو اللہ تعالیٰ کا حکم سناتے ہیں، تو آپ (علیہ السلام) کے لختِ جگر عرض کرتے ہیں:

قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ[5] "(اسماعیل علیہ السلام نے) کہا ابا جان! وہ کام (فوراً) کر ڈالیے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"۔

مرشد طالب کی تربیت بھی اس نہج پہ کرتا ہے کہ (وہ) طالب راہِ حق میں جان قربان کر کے خوشی محسوس کرے، جس طرح دنیا کے سب سے بڑے مرشد ہادی اکمل (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے غلاموں کو تسلیم و رضا کا اس قدر پیکر بنایا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی تمام خواہشات ختم ہو گئیں اور ایک صرف تمنا و حسرت باقی رہی "یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ"[6] اور اس تمنا کو پورا کرنے کے لیے جان قربان کرنا ان کے لیے ایک اعزاز کی بات بن گئی، بلکہ ان کی دل کی حسرت کو اگر ایک شعر میں یوں بیان کیا جائے تو بے جا نہ ہو گا:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مرشد کامل کی طالب سے جہاں شریعت، طریقت کے حوالے کئی مطالبات ہوتے ہیں وہاں سب سے بڑا یہ مطالبہ بھی ہوتا ہے؛ بقول حضرت سلطان باھوؒ (قدس اللہ سرّہٗ):

"مرشد طالب سے کیا چاہتا ہے؟ جانِ عزیز کی نقدی۔ جو طالب راہِ مولیٰ میں سر قربان نہیں کر سکتا وہ نامرد ہے اور معرفتِ لامکان سے محروم رہتا ہے۔ مرد طالب وہ ہے جو راہِ مولیٰ میں جان تو دے دے مگر دم نہ مارے۔ ایسا ہی طالب روشن ضمیر، باشعور اور لائق حضور ہوتا ہے"۔[7]

---

[1] (کلید التوحید کلاں)
[2] (نور الہدیٰ)
[3] (الانعام: 162)
[4] (عقل بیدار)
[5] (الصافات: 102)
[6] (الانعام: 52)
[7] (نور الہدیٰ)

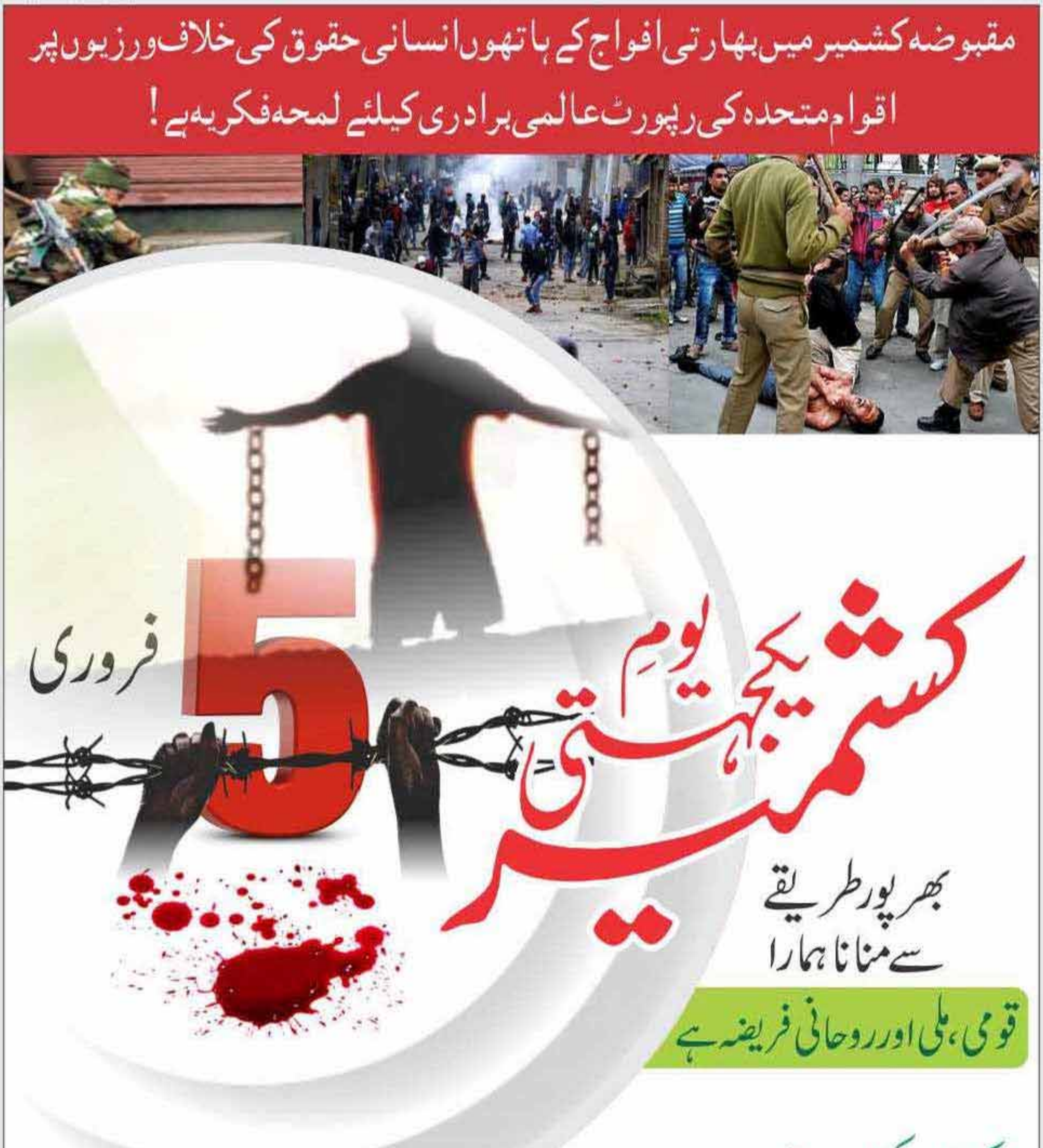
مقبوضہ کشمیر میں بھارتی افواج کے ہاتھوں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر
اقوام متحدہ کی رپورٹ عالمی برادری کیلئے لمحہ فکریہ ہے!
5 فروری
یومِ یکجہتی کشمیر
بھرپور طریقے
سے منانا ہمارا
قومی، ملی اور روحانی فریضہ ہے
پاکستان کی محبت میں
بے دریغ قربانیاں دینے والی کشمیری عوام کے
حقِ خودارادیت کے حصول کیلئے
ہمیں ہر سطح پر اور ہر ممکن آواز بلند کرنی چاہئے